جون 2023، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

www.urducouncil.nic.in

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 06 جون 2023

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

معاون مدیر: ڈاکٹر مسرت

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ تعلیم ـ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
حکیم بوعلی سینا	محمود اختر جلال پوری	06
بدلتے حالات اور بچوں کا لٹریچر	محمد علم اللہ	08
یوم پدر		
میرا باپ	شکیل اعظمی	12
باپ گھر کے درخت ہوتے ہیں	محمد اکرام	13
ہیں والد بھی جنت کا اک در	مہناز بانو	17
انٹرویو		
بچوں کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم لازمی ہے	عبد الناصر	18
نظمیں		
ریٹی اور فیٹی	شاہد جمیل	22
پیام صبح	عطا عابدی	23
جون	عطاء الرحمن طارق	24
سیارہ	ناصر الدین ناصر	24
سنو سنو	فہیم احمد	25
دو مرغے	اسرار اللہ انصاری	26
ہم سچے انسان بنیں گے	ممتاز انور	27
پٹھو گرم	حبیب سیفی	28
دوہے	سعدیہ صدف	29
مزدور	شیبا کوثر	30
ماحولیات		
ہمارا ماحول	اسنیٰ سحر	31
ماحولیات اور ہم	محمد حفظ الرحمن ندوی	34
کہانیاں		
نیکی کر دریا میں ڈال	محمد اسد اللہ	36
امیر یا فقیر	جہانگیر انس	38
بونے میاں	غلام فرید	42
مکار بلی کا انجام	طاہرہ بانو	45
بے بس بکری	انصار احمد درویش	47
بازدگر		
جانوروں کی اقسام	سجاد علی	50
اینڈرسن	اظہر افسر	52
بچوں کا کتب خانہ		
جنگل جنگل/محبوب حسن	شاداب شمیم	55
سائنس نامہ		
گوڈاون پرندہ	اکبر خان اشک جالوری	57
ننھے فنکار		
پینٹنگ		59

پیارے بچو! اچھی صحت قدرت کی عظیم نعمت ہے، صحت کے بغیر کوئی بھی کام انسان صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا۔ صحت مند انسان سے ہی صحت مند معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے، لکھنے پڑھنے اور کھیل کود کے ساتھ دیگر چیزوں میں بھی صحت کی ضرورت پڑتی ہے، ایک بیمار اور کمزور انسان کے لیے دوڑ بھاگ اور دیگر سرگرمیوں میں حصہ لینا بہت دشوار ہوتا ہے، اس لیے اچھی صحت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، صحت مند سماج اور صحت مند انسان کے لیے صحت مند فضا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر اچھی

صحت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، آج کل مختلف طرح کی بیماریوں کی وجہ سے لوگوں کی زندگی پریشان کن ہوگئی ہے، اس کی جہاں بہت سی وجوہات ہیں ان میں سب سے اہم وجہ ماحولیات کی سطح پر بہت بڑی تبدیلی ہے، فیکٹریوں اور گاڑیوں کی وجہ سے کھلی فضا میں سانس لینا محال ہوگیا ہے، نئے شہروں کو بسانے کے لیے جنگلوں کو بے دریغ کاٹا جا رہا ہے، خدا نے اس زمین کو سرسبز وشاداب بنایا تھا لیکن انسان صرف اپنے مفاد اور پرتعیش زندگی کی تمنا میں درختوں کو کاٹ رہا ہے اور اس کی جگہ پر اونچی اونچی عمارات تعمیر کر رہا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اے سی، ریفریجریٹر اور اس طرح کی دوسری الیکٹرانک چیزوں نے کثافت اور آلودگی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

بچو! ماحولیاتی آلودگی کی چار قسمیں ہیں، فضائی آلودگی، آبی آلودگی، صوتی آلودگی اور زمینی آلودگی یا مٹی کی آلودگی۔ آلودگی کوئی بھی ہو انسانوں اور جانوروں پر ہمیشہ منفی اثر ڈالتی ہے، یہ آلودگی ہمارے صاف شفاف ماحول میں منفی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے، فضائی آلودگی کی وجہ سے گلوبل وارمنگ میں زبردست اضافہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے موسموں کا مزاج بگڑ گیا ہے اور بھی دوسری پریشانیاں اس کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں، آبی آلودگی کی وجہ سے پانی میں رہنے والی مخلوقات زیادہ متاثر ہوتی ہیں، آپ کو معلوم ہوگا کہ زمین پر جتنی مخلوقات ہیں اس سے کہیں زیادہ مخلوقات زمین کے اندر ہیں، اس لیے ہمیں ان کی صحت وتندرستی کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ صوتی آلودگی بھی انسان کی سماعت کے لیے بہت خطرناک ہے، اس سے بلڈ پریشر میں اضافہ ہوتا ہے اور نیند میں خلل پڑ سکتا ہے۔ زمینی آلودگی کی اصل وجہ فصلوں میں کیڑے مار دواؤں کا استعمال ہے، اس کے علاوہ اچھی فصل کے لیے کھاد وغیرہ ڈالا جاتا ہے جس سے زمین اپنی کشش اور پیداوار کی قدرتی صلاحیت کھوتی جا رہی ہے۔

پیارے بچو! انسانی زندگی کی صحت اور بقا کے لیے صاف ہوا، صاف پانی اور صاف ستھرا ماحول بے حد ضروری ہے، اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں، ہر بچہ اگر یہ کوشش کرے کہ وہ اپنے بڑوں کے ساتھ خود اپنے لیے ایک درخت لگائے گا تو یقین مانیے پھر سے یہ زمین جنت نما ہو جائے گی، لوگوں کو بھرپور آکسیجن ملے گا، جس سے دل، دماغ اور پھیپھڑے وغیرہ تازہ دم رہیں گے، گھر کے آس پاس کوڑا کرکٹ جمع نہ ہونے دیں، قدرتی نظام کو بچانے کے لیے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ ماحولیاتی آلودگی ہماری صحت پر اثر انداز نہ ہو۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' مئی کا شمارہ ملا۔ سرورق پر مشرقی انداز میں ماں کی گود میں ایک بچے کی خطی خاکہ کشی نہایت دل پذیر ہے۔

رسالے کا پہلا مضمون 'گرمی کے دن آئے آئے' میں موسم کی نوازش کو اشعار کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جس میں بانو سرتاج کے تخلیقی ذہن کا پتہ بھی چلتا ہے۔

دوسرا مضمون سیدہ نوشاد بیگم محمود کا 'جان ہے تو جہان' کے عنوان سے ہے۔ بیگم محمود نے اپنے مطالعے اور تجربے کی بنیاد پر نہایت وقیع تحفہ عوام الناس کے سپرد کیا ہے۔

قارئین! قدرت کے انعام واکرام کی تسبیح بیان کی جائے تو دنیا کی سب سے بڑی نعمت ماں ہے۔ رسالہ بچوں کی دنیا مئی کا شمارہ اس اعتبار سے 'گوشۂ ماں' کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں ماں کی عظمت پر چار مضامین شامل کیے گئے ہیں جو اپنی اپنی نوعیت سے ماں کی عظمت کے متعدد نکات کو محیط ہیں، حالانکہ ماں کی عظمت بیکراں ولامحدود ہے۔

رسالے میں چھ منظومات کی شمولیت بھی مختلف ابعاد و جہات کا احاطہ کرتی ہے۔ رسالے میں شامل کہانی 'میں غانم المفتاح ہوں' ہے۔ یہ کہانی قدرت کی کرشمہ سازی کے اظہار پر انوکھی تحریر ہے۔ یہ کہانی ایک نہایت ہی مایوس و مضمحل والدین کو خدا کی بے بہا عطا وعنایت، مسرت آگیں داستان سے کم نہیں۔ اس کے علاوہ بھی تحریریں زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کو مس کرتی ہیں۔ کہانی 'چاند سورج والی زبان' میں طلبا کو شمسی وقمری حروف کی پہچان کی تعلیم کا بہت عمدہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

کہانی 'سنجیدہ' ایک باپ کی محبت نیز موجودہ حالات سے بے اطمینانی کی کیفیت کے اظہار پر مبنی ہے۔ 'ولی عہد' مضمون داستانوی انداز میں انتقالِ ولی عہدی پر اچھے اسلوب وزبان میں ہے۔ سیر وتفریح بچوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اس تعلق سے 'پکنک' کی اشاعت خوش آئند ہے۔ بار دگر کے تحت تین تخلیقات شامل ہیں۔ 'نیشنل سائنس سینٹر کی سیر' مضمون دراصل محمد خلیل سائنس داں کی کتاب 'نیشنل سائنس کی سیر' پر تبصراتی مضمون ہے جس میں حقانی القاسمی نے بچوں کی افتادِ طبع، ان کی پسند، ان کی فطرت پر اچھی گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ قیامت اور سائنس اور اسکل سیل انیمیہ انوکھے انداز کے مضامین ہیں جو بچوں کو ضرور پسند آئیں گے۔

فردوس بانو فلاحی، M-109، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

'بچوں کی دنیا' رسالہ نت نئے رنگ وروپ میں اپنی جلوہ سامانیاں بکھیر رہا ہے، اس کی روز افزوں ترقی دیکھ کر جی خوش ہو رہا ہے، بچے ہی نہیں بڑے بھی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر مہینے بے صبری سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔

اپریل 2023 کا شمارہ وقت پر ملا، میری نظم 'ہمارے گرو جی' شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔ اس کے ایک شعر ۔

چھڑی ٹیک دی زمیں پر انھوں نے
جہاں لڑکھڑائے ہمارے گروجی!

میں 'چھڑی پٹک دی زمیں پر انھوں نے' شائع ہوگیا ہے جو یکسر شعر کا معنی ہی بدل دیتا ہے۔

فراق جلال پوری، قاضی پورہ، جلال پور، امبیڈکر نگر (یوپی)

محمود اختر جلال پوری

حکیم بو علی سینا

بو علی سینا کا پورا نام علی حسین ابن عبداللہ ابی سینا ہے۔ شہر بخارا کے قریب ایک گاؤں 'افشانہ' میں اس کی پیدائش اگست 918 عیسوی میں ہوئی، قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ علم نجوم اور علم ریاضی کی طرف متوجہ ہوا، اس نے سارے ایام وسط ایشیا اور ایران میں گزارے، وہاں مختلف حکمرانوں کا حکیم اور وزیر بھی رہا، اور اسے حکیموں کا بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس کی معروف ترین تصنیف 'القانون' 10 لاکھ الفاظ پر مشتمل پانچ حصوں میں میڈیکل سائنس کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کتاب کے ترجمے یورپ کی تمام مہذب و مروج اور ترقی یافتہ زبانوں میں ہوئے، اور جسے لاطینی زبان میں کم و بیش بائیس مرتبہ شائع کیا گیا۔ 'القانون' مشرق و مغرب میں صدیوں تک طب کے لیے رہنما کتاب رہی ہے۔ یورپ کی یونیورسٹیوں میں اٹھارہویں صدی تک اسے سند کا درجہ حاصل رہا، یہی کتاب جدید طبی سائنس کی اساس ہے۔

ابن سینا نے طبیعیات، طب، ریاضی، فلکیات، ارضیات، نباتات وغیرہ پر گراں قدر تحقیق کی اور دنیا کے لیے بیش بہا علمی سرمایہ چھوڑا، اس نے تقریباً 276 کتابیں لکھی ہیں، ان میں کتاب الشفا، کتاب القانون فی الطب، کتاب النجات، کتاب الحکمۃ المشرقیہ، کتاب النفس اور کتاب الاشارات التشبیہات کو خاص طور پر مقبولیت حاصل ہوئی، کتاب 'القانون فی الطب' کو صدیوں تک طب کی بنیادی کتاب کے طور پر شہرت حاصل رہی۔

تاریخی روایات کے مطابق ٹمپریچر (حرارت) چیک کرنے والا آلہ (تھرمامیٹر) ابن سینا کی ایجاد ہے۔ کینسر جیسے لاعلاج مرض کا علاج سب سے پہلے اس نے دریافت کیا۔ وہ پہلا سائنس داں تھا جس نے سائنس کو نظریاتی طور پر برتنے کے بجائے عملی انداز میں پیش کیا۔

تمدن عرب میں ڈاکٹر لیبان نے تحریر کیا ہے:

''بو علی سینا کی کتابوں کے ترجمے دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں میں ہوئے اور دس فیصد طب کا دارومدار انھیں کتابوں پر رہا۔ فرانس اور اطالیہ کے دارالعلوموں میں طبی تعلیم کی بنیاد انھیں کتابوں پر رہی ہے۔ اٹھارہویں صدی تک بھی یہ کتابیں بار بار طبع ہوتی رہی ہیں۔'' (تمدن عرب)

محض اٹھارہ سال کی عمر میں ابن سینا نے تمام مروجہ علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی تھی، جیسا کہ تاریخی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ابن سینا کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ جس کتاب کو حفظ کرنا چاہتا اس کو صرف ایک بار بغور مطالعے سے حفظ کر لیا کرتا تھا، اس کے علمی کارناموں کو دیکھ کر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ جیسے قدرت نے اسے مجسم علم و حکمت بنایا تھا۔

ابن سینا کو اپنے بیدار سیاسی شعور اور باغیانہ خیالات کے سبب کئی بار بادشاہوں کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنی سماجی تعلیمات میں اس بات پر کافی زور دیا کہ ''عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت اور جدوجہد کریں۔''

برسراقتدار طبقے نے اس کے اس نظریے و تعلیم کی شدید مخالفت کی اور عوام کے درمیان بڑھتی ہوئی اس کی مقبولیت کو ختم کرنے کے لیے اس پر لادینیت کے فتوے جاری کیے، اور دہریت کے الزام عائد کیے گئے۔

ابن سینا قابل طبیب، عامل سائنس داں اور فاضل ادیب کے علاوہ اپنے دور کا زبردست شاعر بھی تھا، اسے 'شیخ الرئیس' اور 'المعلم الشافی' جیسے خطابات بھی حاصل تھے۔ عربی و فارسی زبانوں میں اس کی منظومات کے نمونے آج بھی محفوظ ہیں۔ اس کا علمی رتبہ اتنا بلند تھا کہ خود اسے ایک موقع پر کہنا پڑا ''چونکہ میں بہت بڑا ہوں اس لیے کسی شہر میں گنجائش نہیں ہوتی۔ چونکہ میری قیمت اتنی گراں ہوگئی ہے کہ مجھ کو اپنا خریدار نہیں ملتا۔''

اپنے وقت کا یہ عظیم طبیب 'شاعر' فلسفی، ادیب اور عالم بستر مرگ پر پڑا تھا، اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب اس کی زندگی کے چراغ میں تیل کی مقدار بہت کم رہ گئی ہے، اور وہ بجھنا چاہتا ہے، گزری ہوئی عمر نے اس کے بال سفید ضرور کر دیے تھے لیکن ذہنی بیداری کی دولت اب بھی اس کے پاس تھی۔

ایک بار اس نے اپنے تمام شاگردوں کا جائزہ لیا۔ ان کی ذہانت اور صلاحیت پر غور کیا اور پھر ان میں سے ایک شاگرد کو طلب کیا اور اپنی بوڑھی آواز میں اس سے کہا:

''سنو یہاں میرے پاس چالیس مرتبان ہیں، ان مرتبانوں میں موجودہ سیال میری پوری زندگی کی محنت اور حکمت کا سرمایہ ہیں۔ جب میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے اور جان لو کہ مر چکا ہوں تو میری بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتبان کے سارے محلول کو ایک کے بعد ایک میرے جسم پر ملنا، یاد رہے ان میں سے کوئی بھی محلول باقی نہ رہ جائے۔''

مرتبانوں کی دریافت کے بعد بوڑھے حکیم کی بتائی ہوئی ترتیب کو شاگرد نے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور وقت کا انتظار کرنے لگا، پھر جلد ہی وہ وقت آ گیا جب ابن سینا کے دل کی دھڑکن بند ہوئی، نبض تھم گئی، جسم مردہ ہو گیا۔

شاگرد ابن سینا کے حکم کے مطابق چند مرتبانوں کے محلول بالترتیب اس کے جسم پر ملنے لگا تو ایک ناقابل یقین واقعہ رونما ہونے لگا، بوڑھا حکیم جو مر چکا تھا پھر سے زندہ ہو رہا تھا، لمحہ بہ لمحہ اس کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کی جوانی بھی لوٹ رہی تھی۔ بالوں کی سفیدی سیاہی میں بدل رہی تھی۔ یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر شاگرد گھبرا گیا۔ بوکھلاہٹ اور خوف کے سبب اس کے ہاتھ سے وہ آخری مرتبان چھوٹ کر فرش پر گر گیا جس کا محلول وہ حکیم کے دوبارہ ہوتے ہوئے جسم پر ملنے والا تھا مرتبان کا سارا محلول زمین میں جذب ہو گیا۔

یہ ایک کہانی ہے بوعلی سینا کے بارے میں، اس کے متعلق بہت سی حیرت انگیز کہانیاں مشہور ہیں، یہ کہانی ظاہر کرتی ہے کہ قدیم مشرق کے اس عدیم المثال حکیم کی صلاحیتوں پر لوگوں کو کس قدر یقین اور اعتماد تھا۔

رمضان المبارک 1037 میں ایران کے شہر ہمدان میں حکیم بوعلی سینا نے وفات پائی، آج تک دنیا بوعلی سینا کا جواب نہ پیدا کر سکی، اس کی عظمت اور سربلندی آج بھی مسلم ہے۔

■

Mahmood Akhtar Jalalpuri
Qazipura, Jalalpur- 224149
Ambedkar Nagar (UP),Mob.: 9506316688

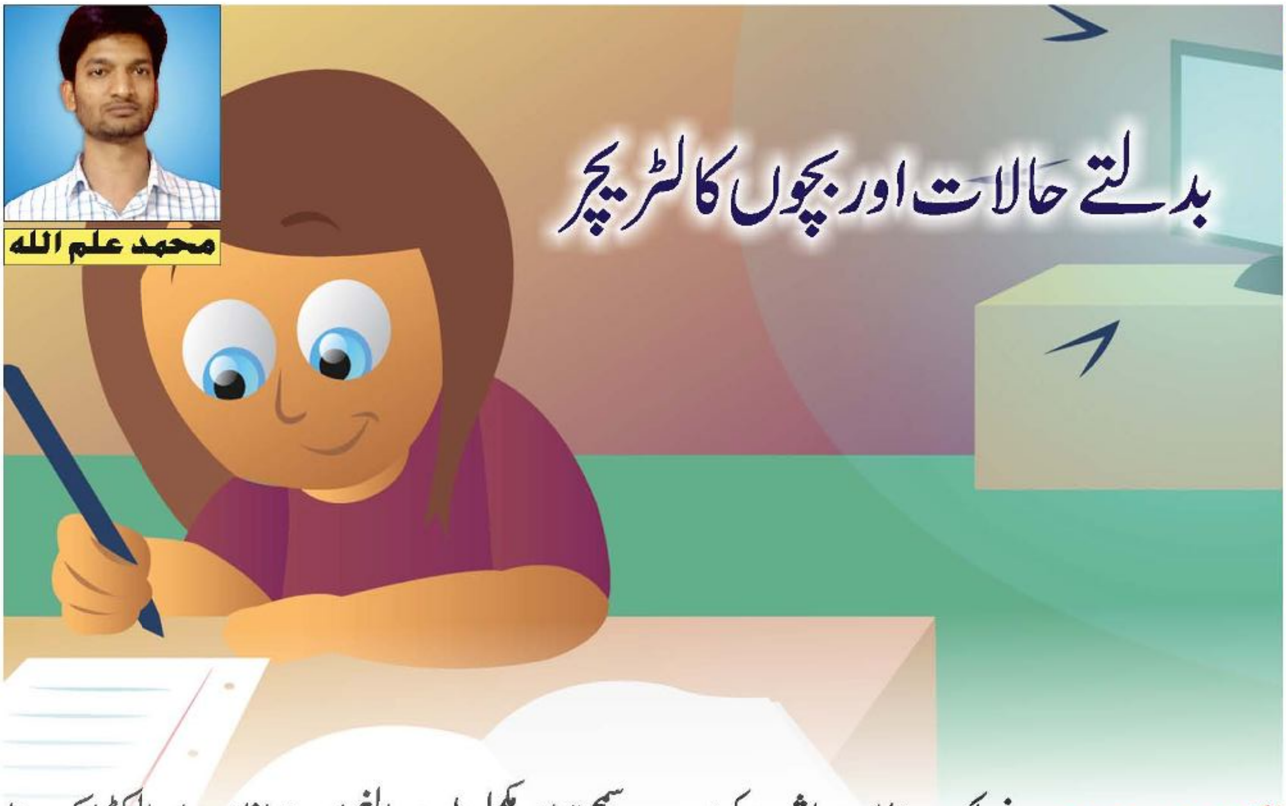

محمد علم اللہ

بدلتے حالات اور بچوں کا لٹریچر

اکیسویں صدی نے ملک، دنیا اور معاشرے کو بہت تیزی سے بدل دیا ہے۔ رہن سہن، کھانا پینا، نیز زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں منفی یا مثبت انقلاب برپا نہ ہوا ہو۔ آج کا بچہ آپ کے اور ہمارے بچپن کے دور سے بالکل مختلف ہے جو ہماری یادوں اور لاشعور میں بسا ہوا ہے۔ بلاشبہ وقت ہمیشہ بدلتا رہا ہے اور بدلنا بھی چاہیے لیکن گزشتہ دو تین دہائیوں میں زمانہ اتنی تیزی سے بدلا ہے کہ بہت سی چیزیں نادانستہ طور ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں اور جب تک ہم ان پر غور وفکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت تک ناقابل تصور پر تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوتی ہیں۔

آج کی ایجادات اور نئے تکنیکی دور نے آرام کی نئی جہتیں قائم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ہم اسے زندگی کے ہر شعبے میں دیکھ سکتے ہیں۔ شاید اس نے نادانستہ طور پر ہمیں روزمرہ کی بہت سی اقدار سے الگ تھلگ بلکہ بہت دور کر دیا ہے۔ ہمارے عہد کے وہ بچے بھی جنھیں ہم چھوٹے ہی سمجھتے ہیں، مکمل طور پر بالغ ہیں، جو انٹرنیٹ اور الیکٹرانک دنیا کی اس لامتناہی راہداری میں بہت دور نکل چکے ہیں، جہاں ان کے پاس موبائل فون، کمپیوٹر، ویڈیو گیمز اور انٹرنیٹ سے بھری ایک مختلف دنیا ہے۔ جس میں نہ صرف باہمی تعلقات، محبت، رہن سہن، خوراک اور فلسفۂ زندگی ہے بلکہ پوری ثقافت ہی موجود ہے مگر بدلی ہوئی شکل میں۔

آج باہمی انحصار کا دور بھی مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے، پہلے کا دور کم از کم ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ سماجی اور معاشی بندھن میں باندھ کر رکھتا تھا۔ معاشیات کا پرانا نظام بھلے ہی آج حاشیے پر چلا گیا ہو، لیکن وہ کافی حد تک درست تھا۔ اسی ناطے سے ہم سب باہم دیگر جڑے ہوئے تھے۔ جب وقت آتا تو ہم ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ مگر آج ایسا نہیں ہے، آج ہر چیز کا فیصلہ دولت کو مرکز میں رکھ کر کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ تعلقات اور رشتوں کو بھی اسی پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔

ہم اپنے بچوں کے بچپن اور بزرگوں سے سماجی رشتے چھیننے جانے کا ذمے دار جسے بھی ٹھہرائیں مگر بچوں کے تعلق سے والدین کی غلطیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں اس صورت حال کے ذمے دار ایک طرف ہائی ٹیک موبائل اور انٹرنیٹ کمپیوٹر ہیں، اس سے کہیں زیادہ ان بچوں کے والدین اور سرپرست حضرات ہیں جنھوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے بچوں کو گھر پر وہ تمام سہولیات فراہم کر رکھی ہیں جو ان کے دل ودماغ کو لمحہ لمحہ اور پل پل بدل رہی ہیں اور بچوں سے ان کی معصومیت اور بچپن چھین رہی ہیں۔ طرفہ یہ بھی ہے کہ والدین کی نظر اس بات پر رہتی ہے کہ ان کے بچے ٹیکنالوجی کے فیلڈ میں بہت کچھ نیا سیکھ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ دوسری طرف یہی ٹیکنالوجی ان کی پشتینی اور مذہبی اقدار وروایات کو نگل رہی ہے۔

والدین اپنے بچوں کے لیے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ نہ صرف وہ نئے زمانے کی جدتوں، تقاضوں اور ضرورتوں سے پوری طرح باخبر ہوں، بلکہ ان میں مہارتیں بھی پیدا کرلیں۔ متمول والدین کے شوق کا تو عالم یہ ہے کہ وہ قسم قسم کی الیکٹرانک اشیا سے گھر کو بھر دیتے ہیں اور بچوں کو نت نئی اور مہنگی ترین ٹیکنالوجی کی اشیا و آلات مہیا کراتے ہیں۔

اس تناظر میں یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ آج کے بچے ٹیکنالوجی کے غلام بن چکے ہیں۔ بیس پچیس سال پہلے ٹی وی پر صرف ایک چینل ہوا کرتا تھا۔ لیکن وقت کی تبدیلی نے ایسا موڑ لے لیا ہے کہ آج 300 سے زائد چینل بھی لوگوں کی پیاس کو ٹھنڈا نہیں کر پا رہے ہیں۔ ان چینلوں کو بڑوں کے ساتھ ساتھ بچے بھی دیکھ رہے ہیں۔ جہاں ہر قسم کا رطب و یابس مواد پیش کیا جا رہا ہے، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ معاشرے اور خصوصاً بچوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اکثر بچے اپنی دنیا میں اس قدر مگن رہتے ہیں کہ وہ بڑوں کی بات تک نہیں مانتے، بزرگوں کی باتیں انھیں دقیانوسی اور فرسودہ معلوم ہوتی ہیں۔

آخر آج کے والدین اپنے بچوں میں اس رویے کو دیکھ کر بھی خاموش کیوں ہیں؟ بچوں کا پیارا بچپن آج گم ہوگیا ہے۔ دادا ، دادی یا گھر کے دوسرے بڑوں کی زبانی سنائی جانے والی پریوں اور شہزادیوں کی دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا ان کی زندگی میں کوئی کردار نہیں رہا جبکہ موبائل فون، کمپیوٹر، ویڈیو گیمز اور کارٹون شوز کے ساتھ ان کی وابستگیاں دیوانے پن کی حد تک بڑھ گئی ہیں۔

سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ بچے قبل از وقت بڑے ہو رہے ہیں۔ یہ بچے دیکھنے میں چھوٹے لگ سکتے ہیں لیکن ذہن اور نقطہ نظر کے لحاظ سے وہ بہت تیز اور شاطر ہوتے جا رہے ہیں۔ آج کے بچے، ٹی وی اور سنیما میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسے اپنی حقیقی زندگی میں لانے کی کوشش کرتے ہیں، ٹیکنالوجی نے ان کے احساسات کو ختم کر دیا ہے۔

ٹیکنالوجی کے حصار میں گھرے بچوں کی زندگی مکمل مشین بن چکی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ 'ٹین ایج' میں ہی یہ بچے انتہائی سفاکانہ جرائم کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ان کی جنسی خواہشات بلوغت کی عمر سے بہت پہلے ہی ان کے وجود اور اعصاب پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ان خواہشات کے زیر اثر کئی برے اعمال کے عادی ہو جاتے ہیں اور ذہنی مریض بن جاتے ہیں، کیونکہ زیادہ تر فلمیں اور کارٹون یورپ اور امریکہ سے ریلیز ہوتی ہیں، ان میں ایک خطرناک اور تباہ کن بات جو آہستہ آہستہ معصوم بچوں کے ذہنوں میں بٹھائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جنسیت یا شادی سے قبل جنسی تعلق کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر کسی میں یہ رجحان ہے تو یہ بالکل درست ہے۔

سابقہ نسلوں کے اندر ذہنی وجسمانی اور تہذیبی وثقافتی تبدیلی چالیس پچاس سال میں نظر آتی تھی۔ بعد کے زمانے میں اس تبدیلی میں مطلوب وقت، کم اور مختصر ہوتے ہوتے محض پندرہ بیس سال رہ گیا۔ موجودہ زمانے میں تبدیلی کا یہ دورانیہ مزید سکڑ کر اور بھی کم ہوگیا ہے۔ جدید ترین ایجادات اور ٹیکنالوجی نے ذہن کو پوری طرح بدل کر رکھ دیا ہے۔ صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ آج نسلوں کی تبدیلی دونسلوں میں نہیں بلکہ ایک چھت تلے رہنے والے افراد کے درمیان ہی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ فہم وفراست اور شعور کی تبدیلیوں نے سوچ اور کردار کو بدل دیا ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ بہت سے خاندان ایسے ہیں جن میں باپ کے خیالات اپنے بیٹے کی نظر میں ہی فرسودہ ہیں۔ اب اولاد کی نگاہ میں والدین موہن جوداڑو کی تہذیب کے پروردہ اور نئے زمانے کے تقاضوں اور چیلنجز سے ناواقف مخلوق لگتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ جس تیزی سے معاشرہ بدلا ہے ہماری زبان میں بچوں کا ادب بھی بڑی حد تک بدل گیا ہے۔ موجودہ لٹریچر میں بدلے ہوئے ادب کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن بچوں کے لیے لکھے جانے والے لٹریچر میں مزید تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اگر کسی قوم کے رہن سہن، کھانے پینے کی عادات بدل سکتی ہیں یا بدل گئی ہیں تو اس قوم کے ادب کو بھی بدلنا چاہیے بلکہ بدلتے رہنا چاہیے۔ تاہم یہ بات قدرے افسوس اور دکھ دینے والی ہے کہ ہمارے بچوں کے لیے لکھے گئے ادب کے ساتھ ایسا مکمل طور پر نہیں ہوا۔

اس کا ثبوت ہمیں 25 سے 30 سال پہلے لکھی جانے والی کئی ایسی تالیفات سے ملتی ہیں جن کی تخلیق، افکار اور اسلوب میں تازگی نہیں ہے یا زمانے کی رفتار اور مزاج کے ساتھ ہم آہنگی نہیں ہے۔ آخر آج کا بچہ وہ سب کیوں پڑھے گا جو اس کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا، اس کے اپنے زمانے سے ہم آہنگ

نہیں۔ آج کے بچے ماضی کی طرح بچوں کے ادب کے ذریعے تبلیغ کو ناپسند نہیں کرتے، انھیں آج کی جدوجہد کا علم ہے، وہ وہی ادب پسند کریں گے جو ان کی معاصر زندگی میں ان کے لیے سچا معاون اور کھرا رہنما ثابت ہوگا۔

آج کے بچے اپنی زندگی میں آنے والی مصیبتوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ روزانہ ایسے تمام مسائل سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ گھر، خاندان، معاشرہ، اسکول خود بخود اسے بہت سی چیزیں سکھا رہے ہیں۔ ایسے میں ان کو ایسا ادب دیا جائے جو ہوا کے نرم جھونکے کی طرح ہو، جو بچوں کے ساتھ ہمدردی بھی کر سکے اور ان کا ساتھی بھی بن سکے۔ انھیں تھوڑی دیر کے لیے آرام، تحریک اور تفریح دے سکے۔ ایسا ادب تخلیق ہونا چاہیے جو ان کے احساسات کو چھو سکے۔ ہم بھلے ہی معاشرے کو نہیں بدل سکتے لیکن اپنا رویہ تو بدل سکتے ہیں۔

معاشرے میں جو سب سے بڑی کمی آئی ہے یا نقص واقع ہوا ہے وہ حساسیت کی کمی ہے۔ اگر اس خلا کو خوب صورت، علمی اور بچوں کے صحت مند ادب کے ذریعے دور کیا جائے تو بہت سے مسائل آسانی سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ صالح اور صحت مند ادب سے بچوں میں جو حساسیت پیدا ہوگی وہ انسانی زندگی کو متاثر کرنے والے خوشی اور غم کے واقعات کی علتوں اور جہتوں کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ اسی سے وہ ہمدردی، غم گساری اور بھائی چارے کی اہمیت کو پہچان سکیں گے۔

صالح ادب نئی نسل کو اداسی، غصہ اور خوف جیسے پیچیدہ جذبات کو سمجھنے اور ان پر قابو پانے میں بھی خاصی مدد کر سکتا ہے۔ بچے صحت مند ادب کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کرنا سیکھ سکتے ہیں اور اپنے جذبات واحساسات کی گہرائی کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ مزید برآں، ایسا ادب ان کے اندر ہمدردی، محبت اور نرمی کے گن پیدا کرنے میں ان کی مدد کر سکتا ہے۔ بچوں کے لیے لکھے گئے صالح ادب پر مبنی کتابوں میں کرداروں کو مشکل حالات کا سامنا کرتے اور ان پر قابو پاتے ہوئے دیکھ کر، بچے امید اور عزم کے احساس کے ساتھ اپنی زندگی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنا سیکھ سکتے ہیں۔

ایسا ادب ہمارے نونہالوں کو ان کے جذبات کو سمجھنے اور بہتر پیرایے میں ان کا اظہار کرنے میں مدد کرنے کے علاوہ، انھیں سماجی مسائل اور مشکل موضوعات کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے ایک طاقتور ہتھیار کے طور پر بھی کام کر سکتا ہے۔ اسی طرح نوجوانوں کے مسائل اور ان کے ذوق وشوق کے پیش نظر لکھا گیا ادب اور پھر مناسب وسائل کی فراہمی، انھیں نسل پرستی، غنڈہ گردی اور جنسی ہراسانی جیسے مسائل پر قابو پانے میں ان کی مدد کر سکتا ہے اور وہ اپنے اردگرد کی دنیا کی پیچیدگیوں کو بہتر طور پر سمجھ سکنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

آج بچوں کو جس قسم کی تعلیم دی جا رہی ہے اب اس میں تبدیلی ہونی چاہیے، نصاب تعلیم میں بھی اور طریقہ تدریس میں بھی۔ صحت مند لٹریچر کا مطلب ہے عملی چیزوں سے آراستہ ایک تادیبی مطالعہ، جس میں آج کے متجسس بچوں کے ہر ان سنے اور مشکل سوال کا نہایت تشفی بخش اور آسان سا جواب دیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک اچھے معاشرے کا تصور کر سکتے ہیں جہاں ہمارے بچے زندگی کی قدروں اور اس کی حقیقی روح سے متعارف ہو سکیں گے۔

■

Mohd Alamullah
Research Scholar, K R Narayanan Centre
for Dalit & Minority Studies
Jamia Millia Islamia
New Delhi- 110025
Mob.: 9911701772

شکیل اعظمی

میرا باپ

کھلی فضا میں صاف ہوا کے جیسا وہ
بارش کے پانی کے جیسا وہ
گہرا تھا مٹی سے رشتہ پیروں کا
اس رشتے کے بیچ نہ آئی چپل بھی
گھڑی نہ باندھی کبھی کلائی پر اس نے
سورج تارے وقت اسے بتلاتے تھے
اپنے بل پر اپنی دھن میں رہتا تھا
نہیں کسی سے گاؤں میں وہ ڈرتا تھا
نام کی خواہش تھی نہ اسے پہچان کی تھی
بس اپنے کاموں سے مطلب رکھتا تھا
وہ دانہ تھا وہ مٹی تھا
وہ پودا تھا وہ موسم تھا
وہ سچا خالص انسان تھا
جیسے آدم اور حوا تھے
وہ تنہا تھا

ایک بڑے سے گھر میں تنہا رہتا تھا
بھینسیں اس کے ساتھ تھیں
اس کی بات سمجھتی تھیں
وہ بھی ان کی ہی بھاشا میں ان سے باتیں کرتا تھا
گھر پر اکثر لگا کے تالا یوں ہی سا
کھلیانوں میں رہنے والا باپ مرا
کھیتوں کھیتوں بسنے والا باپ مرا
آم کی چھاؤں میں سونے والا باپ مرا
اب مٹی میں سوتا ہے
آم کے پیڑ کی خشک جڑوں میں روتا ہے

ماخذ: rekhth.org

■

Shakeel Azmi
A- 201, Malwani Ramkrishna, Plot No:52
Mhada Complex
Malwani, Malad (w), Mumbai- 400095
Mob.: 9820277932

محمد اکرام

باپ گھر کے درخت ہوتے ہیں

(فادرز ڈے کی مناسبت سے)

کہا جاتا ہے کہ ماں جنت کی کنجی ہے تو باپ جنت کا دروازہ۔ یہ دونوں ہستیاں ہی بچوں کی شخصیت اور کردار کو اجالتی ہیں۔ ماں اگر بچے کی پہلی درس گاہ ہے تو باپ ایک گھنا اور سایہ دار درخت جس کی چھاؤں میں بچے چین اور سکون محسوس کرتے ہیں۔ باپ ایک روشنی ہے جو اپنے بچوں کو راستے کے اندھیرے پن سے دور رکھتا ہے۔ باپ ہی وہ شخصیت ہے جو گھر کی پوری عمارت کے لیے ایک ستون اور اپنے بچوں کی صعوبتوں اور رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ایک مضبوط چٹان بن جاتا ہے۔ باپ اس شفقت، محبت اور ایثار کا نام ہے جس کی وجہ سے بچوں کے چہرے ہمیشہ شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ اسی شفقت و محبت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک دن ایسا مخصوص کیا گیا جسے دنیا فادرز ڈے کے نام سے جانتی ہے۔ وکی پیڈیا کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ ”یہ دن ہر سال جون کے مہینے میں تیسرے اتوار کو آتا ہے۔ فادرز ڈے پہلی بار 19 جون 1910 کو واشنگٹن میں منایا گیا۔ 14 بچوں کے والد، ولیم جیکسن اسمارٹ کو اس خاص دن کے پیچھے ایک تحریک سمجھا جاتا ہے۔ 1909 میں، سونورا اسمارٹ ڈوڈ، ولیم کی بیٹی، فادرز ڈے کے لیے مہم شروع کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ فادرز ڈے کینیڈا، برطانیہ، امریکہ، ارجنٹائنا، فرانس، یونان، بھارت، آئرلینڈ، میکسیکو، پاکستان، سنگاپور، جنوبی افریقہ اور وینزویلا میں جون کے تیسرے اتوار کو منایا جاتا ہے۔ اس دن کو دنیا کے بیشتر ممالک نے بڑے پیمانے پر قبول کیا ہے۔ لیکن یورپ کے کیتھولک ممالک ہر سال 19 مارچ کو فادرز ڈے کو سینٹ جوزف ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں ستمبر کے پہلے اتوار کو فادرز ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ برازیل میں اگست کے دوسرے اتوار کو فادرز ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ تھائی لینڈ میں، والد کا دن 5 دسمبر کو اپنے بادشاہ کے یوم

پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے۔"

دنیا کی بیشتر زبانوں میں باپ کی قربانیوں اور عظمتوں کے حوالے سے تحریریں ملتی ہیں۔ اردو زبان میں اس حوالے سے باپ کی عظمتوں کا بیانیہ موجود ہے۔ شاعروں نے تو خاص طور پر بہت انوکھے اور نرالے انداز سے اس موضوع کو برتا ہے۔ دیکھیے ان شعروں میں باپ کو کن کن زاویوں سے خراجِ محبت اور عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

ان کے ہونے سے بخت ہوتے ہیں
باپ گھر کے درخت ہوتے ہیں

نامعلوم

یہ سوچ کے ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوں
اس پیڑ کا سایا مرے بچوں کو ملے گا

منوررانا

مجھ کو چھاؤں میں رکھا اور خود بھی وہ جلتا رہا
میں نے دیکھا اک فرشتہ باپ کی پرچھائیں میں

نامعلوم

ان کا اٹھنا نہیں ہے حشر سے کم
گھر کی دیوار باپ کا سایا

نامعلوم

مجھ کو تھکنے نہیں دیتا یہ ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

معراج فیض آبادی

وہ وقت اور تھے کہ بزرگوں کی قدر تھی
اب ایک بوڑھا باپ بھرے گھر پہ بار ہے

معین شاداب

باپ کی محبت، شفقت، عظمت اور اس کی بے پناہ قربانیوں کو طاہر شہیر نے اپنی نظم 'والد صاحب کے نام' میں بہت حسین اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ نظم یوں ہے۔

عزیز تر مجھے رکھتا ہے وہ رگ جاں سے
یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے
وہ ماں کے کہنے پہ کچھ رعب مجھ پہ رکھتا ہے
یہی ہے وجہ مجھے چومتے جھجکتا ہے
وہ آشنا مرے ہر کرب سے رہے ہر دم
جو کھل کے رو نہیں پاتا مگر سسکتا ہے
جڑی ہے اس کی ہر اک ہاں فقط مری ہاں سے
یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے
ہر ایک درد وہ چپ چاپ خود پہ سہتا ہے
تمام عمر وہ اپنوں سے کٹ کے رہتا ہے
وہ لوٹتا ہے کہیں رات دیر کو دن بھر
وجود اس کا پسینے میں ڈھل کے بہتا ہے
گلے ہیں پھر بھی مجھے ایسے چاک داماں سے
یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے
پرانا سوٹ پہنتا ہے کم وہ کھاتا ہے
مگر کھلونے مرے سب خرید لاتا ہے
وہ مجھ کو سوئے ہوئے دیکھتا ہے جی بھر کے
نہ جانے سوچ کے کیا کیا وہ مسکراتا ہے
مرے بغیر ہیں سب خواب اس کے ویراں سے
یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے

دنیا کے تمام مذاہب میں والدین کے تعلق سے عظمتوں کی بہت ساری عبارتیں اور حوالے موجود ہیں۔ مذہب اسلام میں بھی سیکڑوں حدیثیں اور واقعات موجود ہیں۔ قرآن مجید کی ایک سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 24-23 میں ہے کہ "...ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف

تک نہ کہنا، نہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''

(تفسیر احسن البیان (اردو)، ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی، تفسیر: مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، ص 910-809)

باپ کے مقام کا تعین کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: ''باپ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کردے۔'' (سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، رقم الحدیث 543)

ایک طویل حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی زندگی میں ایک شخص اللہ کے رسول کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول میرا باپ مجھ سے پوچھتا نہیں اور میرا مال خرچ کردیتا ہے۔ شکایت سن کر حضورؐ نے اس شخص کے باپ کو بلایا اور دونوں کی فریاد سنی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے، اس جملے کو حضور نے تاکیداً تین بار فرمایا۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی، دیکھیے تفسیر قرطبی)

پیارے بچو! قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے، اگر آپ کے والدین باحیات ہیں اور زندگی کے اس پڑاؤ میں ہیں جہاں آپ کی ضرورت انھیں بہرحال ہے، آپ انھیں اکیلا نہ چھوڑیں، آپ ان کی خدمت کر کے انھیں بھی خوش رکھیں اور اپنی عاقبت سنواریں۔

یہ سچ ہے کہ باپ کی پوری زندگی اپنے بچوں کے روشن مستقبل اور شخصیت سازی و کردار سازی کے لیے وقف ہوتی ہے۔ اس کی پرورش ونگہداشت، رہن سہن، اچھی تعلیم وتربیت کے لیے روشنی اور اندھیرے کی پروا کیے بغیر وہ ہمہ تن لگا رہتا ہے۔ اسے نہ گرمی کے دنوں میں سورج کی تپش کا احساس ہوتا ہے، نہ سخت سردی کی پروا اور نہ موسلا دھار بارش اور اولے باری کی فکر، بس باپ ہے جو اپنے بچوں کے رزق کی خاطر ساری مشقتیں اور پریشانیاں اٹھاتا ہے۔ یہ باپ کی ہی

شخصیت ہے جو خاموشی سے بغیر اظہار کیے ہی اپنی ساری شفقتیں اورعنایتیں نچھاور کرتا جاتا ہے۔ باپ جب دن بھر کی مشقت اور تھکن سے چور گھر آتا ہے تو سوتے ہوئے بچے پر نظر ڈال کر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان لاتا اور وہ بچے کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر اپنی ساری پریشانیاں اور تھکن بھول جاتا ہے۔ باپ بیشک ماں کی طرح بچے کو اظہار محبت کی خاطر بار بار سینے سے نہیں لگاتا، بار بار چومتا نہیں، اسے بار بار سہلاتا نہیں، بار بار دیکھتا نہیں، مگر یہ سچ ہے کہ ایک باپ بھی اتنا ہی شفیق اور مہربان ہوتا ہے جتنی ماں ہوتی ہے۔

عموماً باپ کا کردار ماں سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ باپ بظاہر اپنے بچوں کے لیے بہت سخت ہوتا ہے۔ اس کی لاپروائیوں، غلط صحبتوں اور بے جا شرارتوں پر اسے پھٹکار بھی لگتی ہے، اپنے طے کیے ہوئے اصول کی خلاف ورزی پر سرزنش بھی کرتا ہے۔ غرض بچے کے ہر حرکات وسکنات پر باپ کی کڑی نظر ہوتی ہے، اور ہو بھی کیوں نہ، وہ تو اپنے بچوں کو مستقبل میں سورج کی طرح چمکتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس موقعے پر میں اپنے والد صاحب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، وہ بظاہر بہت سخت تھے، ذرا سا ادھر ادھر ہونے پر پٹائی ہوجاتی تھی۔ مغرب کے بعد گھر سے نکلتا تو ایسا لگتا جیسے کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگیا ہو۔ اتفاق سے دسمبر 1994 میں گاؤں سے دور جامعہ سلفیہ وارانسی اعلی تعلیم کے لیے جانا ہوا، تقریباً 10 دن گزر گئے، اس وقت فون وغیرہ کا چلن تھا نہیں، سوائے خط کے۔ جب داخلے کے عمل سے گزر چکا پھر میں نے والدین کو خط ارسال کیا۔ تقریباً میرے گھر سے نکلنے اور خط والدین تک پہنچنے میں 12 دن لگ گئے۔ میں جب چھٹیوں میں گھر آیا تو والدہ نے بتایا، کہ ابا تمہارے ایک ہفتہ گزرنے کے بعد روزانہ ڈاک خانے پہنچ جاتے تھے یہ دریافت کرنے کہ میرے بیٹے کا خط تو نہیں آیا ہے۔ یہ ہوتی ہے ایک باپ کی اپنے بچے سے شفقت اور محبت۔ اب والد صاحب دنیا میں نہیں ہیں۔ گذشتہ 28 فروری 2022 کو اچانک برین ہیمریج ہونے سے انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ والد صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

یہاں میں نے اس واقعے کا ذکر صرف اس لیے کیا کہ آپ جان سکیں کہ باپ کو اپنے بچوں سے کتنی انسیت اور محبت ہوتی ہے۔ بیشک سبھی بچوں کے باپ سخت مزاج نہیں ہوتے، مگر سخت مزاجی بچوں کی بہتری کے لیے ضروری بھی ہے۔ کبھی کبھار باپ کے کردار میں تبدیلیاں بھی آتی ہیں، تقریباً دو تین دہائی قبل کے باپ اور آج کے باپ میں کافی فرق محسوس کریں گے۔ پہلے باپ صرف باپ ہوتے تھے، مگر اب باپ کو کبھی کبھار اپنے بچوں کے ساتھ باپ کے علاوہ دوستی کا بھی رشتہ رکھنا ہوتا ہے، بچوں کی غلط حرکات وسکنات پر نظر رکھنے کے لیے دوست جیسا برتاؤ کرنا بھی ضروری ہے، ایسے میں بچے اپنی بہت ساری کمیاں اپنے باپ سے ایک دوست سمجھ کر شیئر کرتے ہیں، اس طرح بچے کی غلطیوں کی اصلاح آسانی سے ہوجاتی ہے۔ اس لیے بچو! آپ باپ کی ڈانٹ اور پھٹکار کو مثبت طریقے سے لیں، ان کی دی ہوئی ہدایات پر عمل کریں، جب وہ آپ کو نصیحت کریں تو ان کی باتیں غور سے سنیں، ان کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوں، ان کے سامنے بلند آواز میں بات نہ کریں، کیونکہ باپ سے بہتر کوئی مونس وغمخوار نہیں، ان سے زیادہ کوئی دردمند نہیں۔

■

Mohd Ikram
89/6A, Street No.: 1
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob.:9873818237

یوم پدر

مہناز بانو

ہیں ’والد‘ بھی جنت کا اک در

فقط ماں پہ اشعار کہتے ہیں کیوں ہم
الگ اک شعار ایسا رکھتے ہیں کیوں ہم
ہیں والد بھی جنت کا در ایک بچو
کہ بنتا ہے والد سے گھر ایک بچو
ہے سچ باپ، ماں ہیں یہ گاڑی کے پہیے
ہے دونوں کی عظمت کوئی کچھ بھی کہیے
کسی اک کا رتبہ سمجھتے ہیں کیوں کم
گنہگار اس سوچ سے ہوتے ہیں ہم
کسی طور والد نہیں ماں سے کمتر
یہ منظر بھی دیکھیں گے ہم روز محشر
زمانے سے لڑنا سکھاتے ہیں والد
کہ باہر کی دنیا دِکھاتے ہیں والد
یہ حق ہے تو دنیا بپھرتی ہے کیوں جی
کہ اظہارِ سچ سے مکرتی ہے کیوں جی
کریں طشت از بام والد کو دِل سے
کہ ان کی بھی تخلیق ہے آب و گِل سے
ہیں دست اور بازو یہ والد ہمارے
خدا نے، نبی ﷺ نے دیے ہیں اشارے

■

Mehnaz Bano
B.L. No: 4, House No.: 5
P.O: Kankinara
North 24
Pargs- 743126 (West Bengal)

بچوں کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم لازمی ہے

عبدالناصر

س: بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: بچپن ہر انسان کی زندگی کا ایک سنہرا دور ہوتا ہے جس کی یادیں زندگی کے آخری حصے تک باقی رہتی ہیں۔ انسان کی ازلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کا گم شدہ بچپن اس کو دوبارہ مل جائے۔ میرے بچپن میں جب ماہ رمضان آتا تھا تو اچانک آئی اس تبدیلی کو میں بڑے غور سے دیکھتا اور پرکھتا تھا۔ محلے کی مسجد قرآن مجید کی تلاوت اور تراویح کی آوازوں سے گونجنے لگتی تھی۔ گھروں کے اندر بھی بچے اور عورتیں قرآن کی تلاوت میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ مجھے بھی باجماعت نماز ادا کرنے کی عادت انہی دنوں پڑی۔ رمضان شریف کے اخیر عشرے میں دادا جان جب اعتکاف میں بیٹھا کرتے تو ان کے لیے ضروری سامان گھر سے مسجد تک لانے اور لے جانے میں ہم سب بھائی بہنوں میں بازی لگ جاتی۔ عید کا چاند نظر آتے ہی اعتکاف کے خاتمے کے ساتھ پھر ان کو واپس لانے کی بھی عجیب خوشی ہوتی۔ میری زندگی میں تراویح پڑھنے کی عادت اسی وقت شروع ہوئی۔

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: بچپن میں اردو زبان کی درسی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا جس کے مصنف اسمٰعیل میرٹھی تھے۔ ان کی کہانیاں، نظمیں اور مضامین آج بھی حافظے میں محفوظ ہیں۔ بعد میں مولانا حالی، شبلی نعمانی ،محمد حسین آزاد، حامد اللہ افسر، نظیر اکبرآبادی اور علامہ اقبال کی نظموں نے مجھے کافی متاثر کیا۔ علامہ اقبال کی نظم 'دعا' تو آج بھی مدارس اور اسکول کے نصاب میں شامل ہے۔ موجودہ وقت میں بھی بہت سے بچوں کے شعرا اور ادیب ہیں جنھیں میں کافی پسند کرتا ہوں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج: بچپن میں مجھے سب سے زیادہ متاثر کرنے والی کتاب 'مسدس حالی' یعنی 'مدوجزر اسلام' تھی جس کی مشہور نعت یہ تھی۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

یہ پوری نظم مجھے آج بھی یاد ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم الاسلام نامی کتاب ہے جس میں کلمہ، نماز، ایمان وعقائد سے متعلق مختلف مسائل کا بیان مکالمے کی صورت میں موجود ہے۔ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے طریقے ہیں جو ایک

مسلمان کے لیے ساری زندگی کام آتے ہیں۔

س: بچپن میں بچوں کے کون کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: بچپن میں والد صاحب بہت سارے رسائل ہر ماہ گھر لایا کرتے تھے، جن میں بچوں کے لیے ماہنامہ کھلونا نئی دہلی، ماہنامہ پیام تعلیم نئی دہلی اور ماہنامہ نور رامپور شامل تھے۔ ہم سارے بھائی بہن ان میں شامل نظمیں اور کہانیاں بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے اور انھیں یاد بھی رکھتے تھے۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے ریاضی اور سائنسی علوم پر مشتمل کتابیں اور رسائل زیادہ مفید ہیں۔ اردو میں بچوں کے لیے سائنس کی دنیا کا مطالعہ بھی مفید ہے۔ اس کے علاوہ ہندی انگریزی میں بھی متعدد رسائل موجود ہیں جن کا مطالعہ طلبا کے لیے ضروری ہے۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

ج: زبان و بیان کے لیے اردو قواعد کی چھوٹی چھوٹی کتابیں مثلاً صحت الفاظ اور اردو املا کا مطالعہ ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہر ماہ شائع ہونے والے رسائل کا مطالعہ بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ زبان و بیان کی پختہ مشق بھی ہو سکے۔

س: مستقبل اور کیریئر سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا مفید ثابت ہوگا؟

ج: مستقبل اور کیریئر سنوارنے کے لیے سائنس اور ٹکنالوجی کا علم لازمی ہے۔ اس کے لیے کمپیوٹر کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی مدد سے بہت سارا مواد کم سے کم وقت میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آج دنیا میں کتب خانے کا چلن ختم ہو چکا ہے۔ پہلے کتب خانے میں جو افراد مطالعے کی غرض سے آتے تھے ان سے دوسرے قارئین بھی فیضیاب ہوتے تھے۔ اس قسم کے تبادلۂ خیال سے ایک مصنف کو جو فائدے حاصل ہوتے تھے اس سے آج ہم محروم ہو چکے ہیں۔ چونکہ کمپیوٹر میں موجود مواد ایک ریکارڈ کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوئی پھر اسکول سے ہوتا ہوا یونیورسٹی تک پہنچ گیا۔ اس دوران اچھے اور پختہ کار استاد کی بھی صحبت ملی۔ جن کے مشورے سے میری دلچسپی اچھی کتابوں تک ہوئی جو میری زندگی کا ماحصل ہے۔ قابل اساتذہ کرام میں نالندہ کالج، بہار شریف کے پروفیسر معین الدین خان اور پٹنہ کالج میں یوسف خورشیدی اور کلیم عاجز کا نام سرفہرست ہے۔ جن کی تربیت اور صحبت کے نتیجے میں مجھے لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور میں مضامین، کہانیاں اور نظمیں لکھنے لگا۔ تحقیق کے دوران بھی جے این یو میں پروفیسر نصیر احمد خاں کے قریب آیا تو لسانی پہلو سے تحقیق کا فن سیکھا۔ وہ ایک ماہر لسانیات تھے اور زبان کے نکات سے باخبر تھے۔ ان کا شمار صاف گو لوگوں میں ہوتا تھا اس وجہ سے کچھ لوگوں کا ان سے اختلاف بھی رہتا تھا۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: جن دنوں میں نے تحقیق کے لیے جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو وہاں ہندوستانی زبانوں کا مرکز کے نام سے ہندی اور اردو کا شعبہ ایک ساتھ تھا جہاں سارے ملک سے اسکالر حضرات کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ طلبا بھی برابر لکھنے پڑھنے میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ان سے میں نے لکھنے پڑھنے کا سلیقہ سیکھا اور بچوں کے مختلف رسائل ماہنامہ امنگ، پیام تعلیم، نئی دہلی، ماہنامہ نور، رامپور اور بچوں کی نرالی دنیا، نئی دہلی کے لیے لکھنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ روزنامہ

راشٹریہ سہارا، نئی دہلی میں بھی لکھنے لگا۔ لیکن میری خاص دلچسپی بچوں کے ادب سے تھی اور پہلی نظم لوح وقلم کے عنوان سے 1999 میں ماہنامہ امنگ میں شائع ہوئی جو بعد میں نغمۂ اطفال (مجموعہ نظم) میں شامل ہے۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: جیسا کہ میں نے سطور بالا میں عرض کیا ہے کہ میری پہلی نظم لوح وقلم کے عنوان سے ماہنامہ امنگ میں شائع ہوئی تھی جس کی خوب پذیرائی ہوئی تھی۔ پھر جب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کا اجرا ہوا تو گاہے بگاہے اس کے رسالے بچوں کی دنیا میں بھی میری تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: میری تخلیقات کا مرکزی موضوع اخوت، انسانیت اور ہمدردی ہے، جس کی دنیا کو پہلے بھی ضرورت تھی اور آئندہ بھی رہے گی۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی معاملات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: بے شک، میں سب سے پہلے اس جانب ہی دھیان دیتا ہوں۔ دوم یہ کہ میں اس جانب غور کرتا ہوں کہ اس وقت مجھے کس عمر کے بچوں کے لیے قلم اٹھانا ہے۔ دس سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے یا اس سے زیادہ عمر کے بچوں کے لیے۔ یہ طے کر لینے کے بعد مجھے کہانیاں اور نظمیں لکھنے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ میری تحریر میں ایک مثبت راہ اور ہمدردی کی فضا ہموار ہو جائے۔

س: بچوں کے لیے لکھتے وقت آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: بچوں کے لیے لکھتے وقت موجودہ وقت اور حالات کو ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ سادہ اور سہل زبان تلاش کرنی پڑتی ہے تا کہ ہمارے قارئین بچے اس کو بخوبی سمجھ سکیں۔ سچ تو یہ ہے ایک شاعر یا ادیب کو ویسی ہی زبان استعمال کرنی چاہیے کہ اس کے دل کی بات قاری کی سمجھ میں جلد آ سکے۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقوں میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: ضرور ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی ادیب کی زندہ تحریر خود ادیب کو لافانی زندگی عطا کرتی ہے۔ آج بھی میرے ننھے منے قارئین مجھ سے کافی محبت رکھتے ہیں۔

س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: بے شک، جہاں بھی ادب اطفال پر میری نظر پڑتی ہے اسے ایک نظر دیکھنے میں کافی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں بچوں کے اندر بدلتے ہوئے ذہنی رجحانات کا علم ہوتا ہے اور ان کی طلب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسائل بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

ج: ہندی میں بچوں کے لیے ماہنامہ بال ہنس اور چمپک وغیرہ اچھے رسالے ہیں لیکن اب پہلے کی طرح یہ بک اسٹالوں پر نظر نہیں آتے، اس کی خاص وجہ ان کا نیٹ پر موجود ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اب پرنٹ میڈیا کا دور زوال پذیر ہو چکا ہے۔ انگریزی کے بھی کئی اہم رسائل ہیں لیکن اس علاقے میں ان کی مانگ زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو سکے نیٹ کی مدد سے ہی مطالعہ کرنا چاہیے۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: اب اردو میں شائع ہونے والے رسائل اور جرائد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اس لیے اس کا مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ زیادہ رسائل کو جاری اور باقی رکھنے کی ضرورت

ہے تاکہ اردو کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو سکے۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں مواد اور زبان و بیان کی حیثیت سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: اردو میں بچوں کے ادب پر شائع ہونے والے رسائل میں مواد اور زبان و بیان پر کافی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اسے پوری دنیا میں دیکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ آج اردو زبان ایک عالمی زبان کا درجہ رکھتی ہے اس لیے اس کی زیبائش و آرائش پر دھیان دیتے رہنے کی ضرورت ہے۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: معاصر ادب اطفال کی تخلیق کرنے والے ادبا اور شعرا کو ان دنوں کافی محنت کی ضرورت ہے چونکہ اس وقت پورے ملک میں اردو کی حالت خراب ہے۔ موبائل فون کے عام چلن نے خطوط لکھنے کے طریقے کو یکسر ختم ہی کر دیا ہے۔ درخواستیں اور دستاویزات بھی انٹرنیٹ کی مدد سے بھیجے اور موصول کیے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ موجودہ وقت کی سہولیات نے انسان کی تخلیقی صلاحیت پر ضرب کاری لگا دی ہے۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا کی توسیع نے بھی لوگوں کے قلب و ذہن پر منفی اثر ڈالا ہے اس لیے معاصر ادب اطفال کی صورت کافی تشویشناک ہے۔ آج اردو کے بہت سارے بچوں کے رسالے بند ہو چکے ہیں یا بند ہونے کے قریب ہیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: بچوں کے لیے لکھتے وقت آج جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی پر مبنی مضامین اور کہانیاں لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی مضامین پر نظمیں اور کہانیاں لکھنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً باغوں، کھیتوں اور میدانوں کی شادابی اور سرسبزی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان کے ذکر سے ادب کے دامن کو کبھی خالی نہیں رکھنا چاہیے۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟

ج: بچوں کا دل و دماغ ایک سادہ کاغذ کی مانند ہوتا ہے۔ اس پر بچوں کے والدین اور اساتذہ جس طرح کی محنت کرتے ہیں وہ ویسا ہی بنتا ہے۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے دوران دونوں کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور ایسی نسل کو پروان چڑھانا ہے جو حق گوئی و بے باکی کی خوبیوں کی حامل ہو۔ تبھی وہ مستقبل کے اچھے شہری اور اچھے انسان بن سکیں گے۔

س: ماہنامہ بچوں کی دنیا میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: ماہنامہ بچوں کی دنیا میں ابھی اصلاح اور پختگی کی ضرورت ہے۔ بچوں کی ذہن سازی میں رسالے کا کردار بھی اہم ہوتا ہے۔ اس میں حمد و نعت، اخلاقی مضامین اور مصلح قوم کے حالات زندگی پر مشتمل مضامین کو جگہ دینے کی ضرورت ہے۔ اچھی اور عمدہ تخلیقات کو پرچے میں جگہ دینے کی جو کوشش ادارے نے شروع کی ہے وہ قابل تعریف ہے اسے آگے بھی جاری رکھا جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ نئے قلم کاروں کو بھی آگے آنے کا حوصلہ دیا جائے۔

س: بچوں کے لیے کوئی پیغام؟

ج: بچوں کے لیے میرا پیغام صرف اتنا ہے کہ وہ اچھی اور کار آمد چیزوں کا مطالعہ کریں۔ فضول اور بیکار چیزوں سے پرہیز کریں۔ اپنے علم کو پھیلانے اور سیکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ تبھی آپ کا علم زندہ اور باقی رہے گا۔ اکابرین اور مفکرین کی زندگیوں کے مطالعے کی عادت ڈالیں اور قابل انسان بننے کی کوشش کرتے رہیں۔

■

Abdul Naseer
Vill.: Pakthoul, P.O: Khizir Chak
Via: Barauni,Distt.: Begusarai-851112 (Bihar)

نظم

شاھد جمیل

ریٹی[1] اور فیٹی[2]

ریٹی فیٹی چوہے دو گھر سے نکلے سنڈے کو
اُن کو 'برگر' کھانا تھا موسم خوب سہانا تھا!
دونوں ہاتھ میں ڈالے ہاتھ چوپاٹی پر پہنچے ساتھ
لیکن جب دُوکان کھلی دَھم سے کودی اِک بلّی!
ریٹی چیخا، نیند سے جاگ! فیٹی فیٹی! سرپٹ بھاگ!
ریٹی دُبلا پتلا تھا فیٹی لیکن موٹا تھا
موٹے پتلے چوہوں کا پھر ایسا کہرام مچا!
ڈوگی[3] تھے دو چار کھڑے 'بھوں بھوں' کر کے دوڑ پڑے!
دُشمن پیچھے تھے اَنجان بھاگم بھاگ بچائی جان!
دونوں کا تھا حال بُرا موڈ اَلگ برباد ہوا

سر چکرایا، پھولی سانس
برگر، تیرا ستیاناس!

■

Shahid Jameel
202-R D Mension, Near Axis Bank
Ashiana Deegha Road
Post: B V College
Patna- 800014 (Bihar)
Mob.: 9471094149

1 Rattie 2 Fattie 3 Doggie

پیامِ صبح

عطا عابدی

سورج نکل چکا ہے
موسم بدل چکا ہے
بیدار ہیں پرندے
بیدار ہیں چرندے
لیکن تو سو رہا ہے
دولت کو کھو رہا ہے

رہتے نہیں جو غافل
منزل ہے ان کا حاصل
جو ہیں سحر میں جاگے
بڑھنے لگے ہیں آگے
لیکن تو سو رہا ہے
دولت کو کھو رہا ہے

رحمت کا ہے خزانہ
خوشیوں کا ہے ترانہ
ساعت ہے بندگی کی
بٹنے لگی ہے روزی
لیکن تو سو رہا ہے
دولت کو کھو رہا ہے

چھایا سرور ہر سو
برسا ہے نور ہر سو
دنیا ہے خوب صورت
اٹھنے کی ہے ضرورت
لیکن تو سو رہا ہے
دولت کو کھو رہا ہے

چمکا ہے یوں سویرا
غائب ہوا اندھیرا
روشن ہوئی ہیں راہیں
منزل کی ہیں صدائیں
لیکن تو سو رہا ہے
دولت کو کھو رہا ہے

■

Ata Abdi
C/o Book Emporium
Urdu Bazar, Sabzi Bagh
Patna- 800004 (Bihar)

عطاء الرحمن طارق

نظم

جون

گھٹا آئی ہے مدماتی
نئی لے لی ہے برساتی
کھلے اسکول، ری کوئل
ہمارے ساتھ تو بھی چل
کتابیں سب نکالی ہیں
بیاضیں آنے والی ہیں
نئے جوتے، نیا بستہ
نئی منزل، نیا رستہ
نیا درجہ، نئے ٹیچر
نئے دوچار بازی گر
بھرے ہیں شوق سے بادل
برس جانے کو ہیں بے کل
یہ دل گاتا ہے بارش میں
مزہ آتا ہے بارش میں
خدایا، شادمانی دے
فرشتے بھیج، پانی دے

■

Ataur Rahman Tariq
Vijaya Co-op. Hsg. Society, Vaishali Nagar
K.K Road, Mahalaxmi
Mumbai - 400011 (Maharashtra)
Mob.: 9773238043

سیارہ

ڈگر پہ دیکھو گزر نہیں ہے
تمھیں ابھی تک خبر نہیں ہے

فلک کی منزل کو جان لو تم
عقابوں جیسی نظر نہیں ہے

تڑپ جو رکھو تو پار کرلو
مجازی دل کا سفر نہیں ہے

خدا کا جلوہ، ہے پاسداری
انھیں کہیں پر بھی ڈر نہیں ہے

اگر ہو نائب خدا کے تم بھی
خودی نہیں تو نظر نہیں ہے

زمیں سے دیکھوں کبھی فلک کو
گزرنا چاہوں گزر نہیں ہے

فلک کی ساری نشانیوں میں
خدا کا جلوہ کدھر نہیں ہے

حساب رب کا ہے سیدھا سادہ
عمل نہیں تو ثمر نہیں ہے

■

Dr. Nasiruddin Qamruddin
Urdu Girls High School & Junior College
Malkapur, Distt.: Buldhana (MS)

نظم

فہیم احمد

سنو سنو

آؤ آؤ بہن و بھائی سنو! سنو!
نئی خبر ہم نے ہے پائی سنو! سنو!

نازش نے شانو سے جب ٹافی چھینی
امی نے تب ڈانٹ پلائی سنو! سنو!

دادا اب کیسے سوئیں گے سردی میں
چوہے نے دی کاٹ رضائی سنو! سنو!

بات نہ مانی ہاتھ جلا بیٹھا گولو
جلا رہا تھا دیاسلائی سنو! سنو!

کھویا قلم سنہرا پایا ارشد نے
الماری جب گئی ہٹائی سنو! سنو!

ہنسی اڑاتے تھے جو ان کو دیا جواب
نرگس نے بھی پتنگ اڑائی سنو! سنو!

اول آنے پر رضیہ کو ابا نے
نئی سائیکل ایک دلائی سنو! سنو!

آج شفا نے ہمت کرکے چوزے کی
بلی سے ہے جان بچائی سنو! سنو!

ٹفن کھول مریم نے بوڑھے بابا کو
سبزی روٹی آج کھلا ئی سنو! سنو!

خوب دعائیں دیں نانی نے شانو کو
لاکر ان کو دوا پلائی سنو! سنو!

■

Dr. Faheem Ahmad
Asst. Prof. Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G) College
Chaudhary Sarai
Sambhal - 244302 (UP)
Mob.: 8896340824

نظم

اسرار اللہ انصاری

دو مرغے

دو مرغوں میں ہوئی لڑائی — جم کر ہوگئی ہاتھا پائی
ایک ہے موٹا ایک ہے دبلا — دِکھتے ہیں پر بھائی بھائی
موٹا مرغا لال ہے پورا — دبلا ہے مائل بہ سیاہی
موٹا جو ہے سست بہت ہے — کر نہیں پاتا تیز چڑھائی
دبلے کی ہے چونچ بڑی — جس سے کرتا ہے وہ دھنائی
موٹا جو ہے عقل کا کھوٹا — سمجھ میں اس کی بات نہ آئی
کیسے پٹکوں کیسے ماروں — کیسے کروں دبلے پہ چڑھائی
اتنے میں آئی اک بلی — ان دونوں پر جست لگائی
موٹے کو پنجوں سے پکڑا — دبلے کو جبڑوں میں پھنسائی
مرغے تڑپے چیخے بھی — لیکن بلی باز نہ آئی
لے جا کر پھر اک کونے میں — بلی یوں مرغوں کو کھائی
آپس میں یوں لڑتے لڑتے — مرغوں نے اپنی جان گنوائی
'لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں ہے — بچو! بات سمجھ میں آئی!'

■

Dr. Asrar Ullah Ansari
Dept. Of Urdu, Government College
Burhanpur - 450331 (MP)
Mob.: 9753210869

نظم

ہم سچے انسان بنیں گے

ممتاز انور

ہم سچے انسان بنیں گے
شکوے کا دھبہ دھونے تک
اچھوں کا چرچا ہونے تک
اس کونے سے اس کونے تک
خود اپنی پہچان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے
یکتا کی زنجیر بنا کر
باتوں سے خوشبو پھیلا کر
جینے کی ہی راہ دکھا کر
ہر مذہب کی شان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے
امریکی یا انگلستانی
چینی، ترکی یا جاپانی
روسی ہوں یا ہندوستانی
سب مل کر گلدان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے
پاؤں بنیں لنگڑوں کی خاطر
اور زباں گونگوں کی خاطر
اندھوں اور بہروں کی خاطر
آنکھ بنیں گے کان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے
دل سے ہارے غم کے مارے
روتے ہیں جو بھی دکھیارے
پونچھ کے ہی آنسو کے دھارے
خوشیوں کے سامان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے
بھول کے انور آنکھ مچولی
بولیں گے ہم پیار کی بولی
ساتھ لیے بچوں کی ٹولی
تہذیبوں کا مان بنیں گے
ہم سچے انسان بنیں گے.....!!

■

Mumtaz Anwar
66-A, N.R.Adhikary Road
Kamarhati,
Kolkata - 700058 (West Bengal)
Mob.: 9748830729

نظم

حبیب سیفی

پٹھو گرم

چھٹّی ہے آج اپنی ٹیوشن نہیں ہے جانا
دادی کو ہے چڑانا ممّی کو ہے ستانا

ڈرتی نہیں کسی سے سر پر ہیں دادا میرے
پاپا گئے ہیں آفس گھر پر ہیں دادا میرے

بولی عظیمہ آکے تو بات سن صباحت
ہر روز بیڈ منٹن اچھی نہیں ہے عادت

رسّہ نہ پاؤں ٹکّہ کچھ اور کھیل کھیلیں
مایوس جو کھڑی ہیں ان کو بھی ساتھ لے لیں

بولی کہ آؤ کھیلیں پٹّھو گرم ہی مل کے
اک بول لے کے بچو آؤ اکٹھے ہو کے

دو ٹیمیں ہم بنائیں جو کھیلیں باری باری
پھر دیکھنا کہ کس میں کتنی ہے ہوشیاری

پٹّھو میں بول مارے جس کی بھی آئے باری
چیٹنگ نہیں چلے گی سب سن لو بات ہماری

چھوٹے بڑے ہوں پتھر گنتی کے دس ہوں گیارہ
اِکسار بھی سبھی ہوں سمجھو مرا اشارہ

گرنے کے بعد پتھر لگنے میں ہو نہ الجھن
کہتی ہوئی صبا سے آگے بڑھی یہ ایمن

بولی کہ کھیلنے میں اب مشکلیں بڑی ہیں
اپنی گلی کے اندر کاریں بہت کھڑی ہیں

کاریں تو سب نے لی ہیں باہر کھڑی کری ہیں
بس گھر ہیں رہنے خاطر اور پارکنگ نہیں ہے

بہتر ہے گھر میں رہ کر چھٹی کا دن بتانا
ورنہ تو کھیلنے کو پارک پڑے گا جانا

■

Habib Saifi
R/o E12/51B. 1st Floor, Hauzrani
Malviya Nagar
New Delhi - 110017

ننھا بالک دیر تک روز مچائے شور
چندا ماما دور سے دیکھیں میری اور

کالی کالی رات ہے پیارا پیارا چاند
یارب اس کی روشنی کبھی نہ ہووے ماند

تارے ہیں آکاش میں دھرتی پر ہیں ہم
ساری دوری پاٹ کر ہوجائیں باہم

دن بھر سورج نے کیا کیسا اتیاچار
چندا ماما آگئے ہوگی اس کی ہار

کومل روئی کی طرح، نازک جیسے کانچ
یارب میرے چاند پر کبھی نہ آئے آنچ

اپنے میٹھے بول سے کر لے سب کو رام
شیریں اس کا لہجہ ہے شیریں اس کا نام

آموں میں بھی دیکھیے لنگڑا ہے وہ آم
خوشبو سے جس کی مچے گھر گھر میں کہرام

موسم گرما آگیا لے کر یہ پیغام
ہلکی غذائیں کھائیے فر فر کیجے کام

گرمی سے ہر پل لگے دن بھاری پربت
راحت کا ساماں کرے بس ٹھنڈا شربت

کرنا ہے جو کر چلو مت سوچو انجام
محنت سے ہی دے گی ہمیں من بھاون انعام

■

Sadia Sadaf
67, Maulana Shaukat Ali Street
(Colootola Street)
Kolkata - 700073 (West Bengal)
Mob.: 9831365693

نظم

شیبا کوثر

مزدور

چند سکوں کی خاطر
صبح سے شام تک
شہر سے گاؤں تک
نجانے کتنی زندگیاں
دھوپ میں نہاتی ہیں
ارمانوں کو جلاتی ہیں
جب سورج ڈھلتا ہے
گھر کو واپس آتی ہیں
بچوں کی صورت آنکھوں میں لیے
گزرتی ہیں بازاروں سے
تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے
ایک جھولا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے
چمکتے کھلونے، مٹھائیاں
خوبصورت لباس، چوڑیاں
سب بیکار ہیں
دکھ دیتے ہیں یہ آنکھوں کو
بے چین کر دیتے ہیں دلوں کو
مجھے تو چاہیے صرف
آٹا، چاول، دال اور تیل
بچوں کی بھوک مٹانے کو
جینے کی خاطر ہم تو کھاتے ہیں
اور پھر—
تھکن اوڑھ کے سو جاتے ہیں—!

■

Sheeba Kausar
Mohalla: Brah Batrah
Arrah- 802301 (Bihar)

اسنیٰ سحر

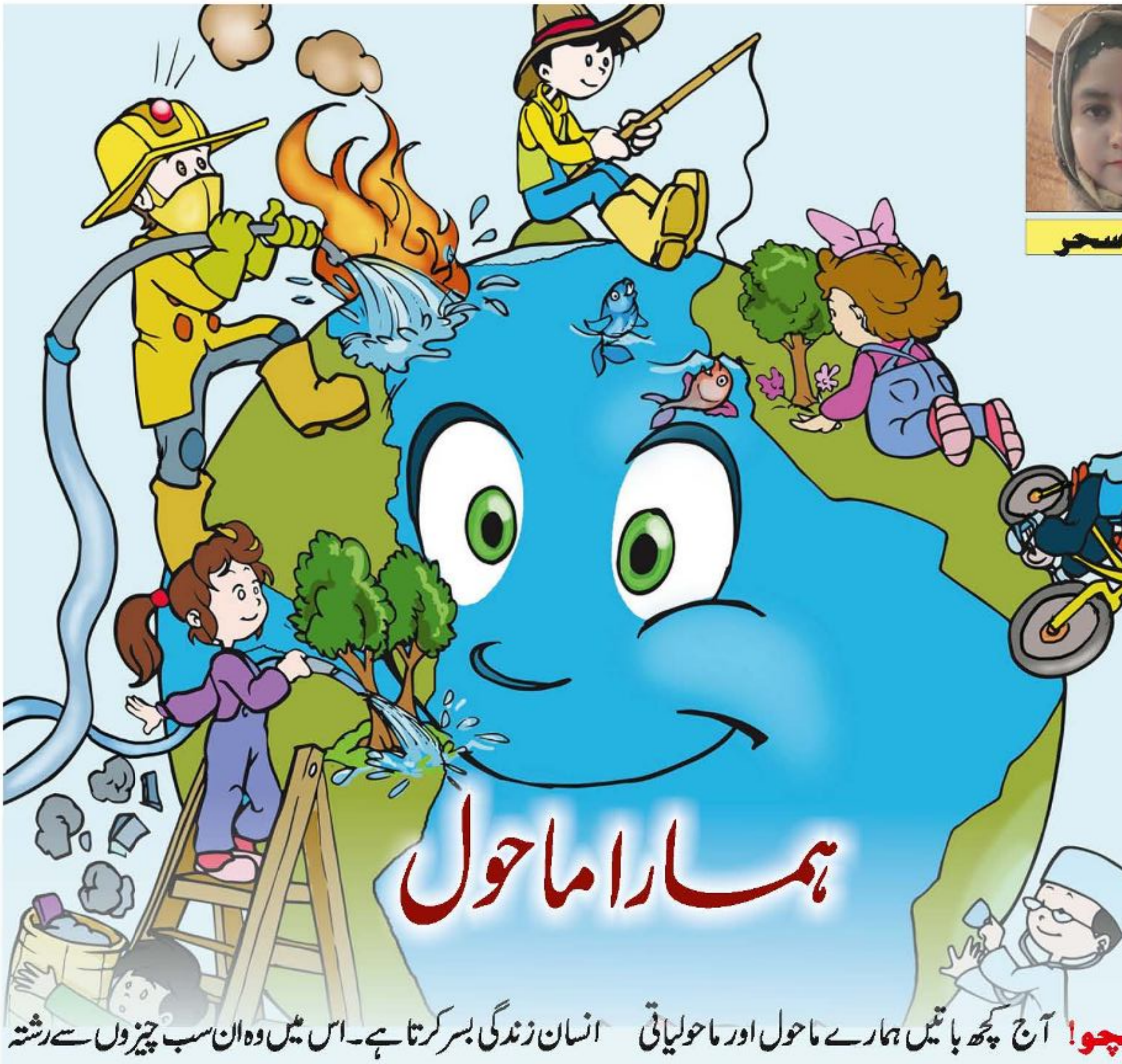

ہمارا ماحول

پیارے بچو! آج کچھ باتیں ہمارے ماحول اور ماحولیاتی نظام کے متعلق ہو جائے۔تو بچو! سب سے پہلے سوال یہ ہے کہ ماحول کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہوا کہ ہمارے چاروں طرف جو نباتات و حیوانات ہیں۔یا جو جاندار یا بے جان چیزیں ہیں اور ان سے متعلق اور دوسری چیزیں موجود ہیں ان سب کو ہم ماحول (Environment) کا نام دیتے ہیں۔اب یہ نباتات و حیوانات کیا ہیں؟ تو نباتات کا مطلب ہے وہ چیزیں جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً مختلف قسم کے پیڑ و پودے، گھاس، سبزیاں وغیرہ اور حیوانات سے مراد سب طرح کے جانوروں ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماحول انسان و جانور، پیڑ و پودوں، پانی، ہوا، مٹی ان سب سے مل کر بنتا ہے اور اسی ماحول میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔اس میں وہ ان سب چیزوں سے رشتہ قائم کرتا ہے جو اس کے آس پاس میں موجود ہوتی ہیں اور جن سے متاثر ہو کر اپنی اور دنیا کی ترقی میں اپنا اہم رول ادا کرتا ہے اور اسی کو ماحولیاتی نظام کہہ سکتے ہیں۔

اللہ نے ہماری کائنات کو اس قدر حسین و دلکش بنایا ہے اور اس میں پیدا کی گئی چیزیں اس قدر نظام میں ہے کہ ذرا سی بے رحمی اور بے احتیاطی سے بڑی تباہی برپا ہو جاتی ہے۔جتنی بھی چیزیں اس دنیا میں موجود ہیں چاہے وہ انسان ہو یا جانور سب چیزیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔اگر کسی بھی چیز میں کوئی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو دوسری چیز پر اس کا اثر دیکھنے کو ملتا ہے۔مثلاً پیڑوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے آکسیجن میں کمی

محسوس کی گئی ہے جس کی وجہ سے پوری فضا میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے جیسے انسان کی ذہنی و جسمانی صحت میں کمزوری، جانوروں کی کمی، موسم میں تبدیلی، فضا میں شدید ترین گرمی وغیرہ۔ تو بچو! اگر قدرتی ماحول میں موجود کوئی ایک چیز بھی خراب ہورہی ہے تو اس کا سیدھا اثر اس سے متعلق دوسری چیز پر ضرور ہوگا۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ماحول میں بگاڑ کیسے پیدا ہورہا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا سب سے بڑا سبب خود انسان ہی ہے کیونکہ انسان نے ہی پہلے پہل قدرتی نظام سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جس کے نتیجے میں قدرت کا بنایا ہوا ماحولیاتی نظام جو کہ بہت درست تھا وہ حد سے زیادہ بگڑ گیا، جس کا نقصان سب سے زیادہ خود انسان کو ہی ہوا۔ آج اس کے خود کے وجود اور صحت پر ایک سوالیہ نشان قائم ہوگیا ہے کیونکہ بچو! جب ماحول خراب ہوجائے گا تو انسانی جان و نظام میں بھی کافی تبدیلی آجائے گی جس سے انسانوں کے وجود کو خطرہ ہوگا۔

ماحول، انسان اور اس کی زندگی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ چونکہ انسان نے خود ہی اپنی عقل سے ماحولیاتی نظام کو برباد کردیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج مختلف قسم کے مسائل اس کے سامنے آرہے ہیں مثال کے طور پر بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ، فضائی آلودگی کا مسئلہ، گندے پانی کا مسئلہ، درجۂ حرارت کا مسئلہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان تمام مسائل کا تعلق سیدھے انسانوں سے ہی ہے۔ انسانوں نے زندگی کو بہتر بنانے کی جد وجہد میں قدرتی نظام کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ موسم سرما میں بارش، موسم گرما میں شدید ترین گرمی، بارش کے موسم میں بارش نہ ہونا ان سب بے ترتیبی کا ذمے دار خود انسان ہی ہے۔ اب ان تبدیلیوں سے پیدا ہورہے مسائل سے انسان ہی پریشان ہورہا ہے۔

بچو! ماحول کو اور بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے ماحول کے بارے میں اور تفصیلات بتا رہی ہوں۔ تو ماحول کے چار بنیادی عناصر ہوتے ہیں: (1) کرۂ جمادات (Lithosphere) یہ زمین کی اوپری پرت ہوتی ہے جو سلیکن اور المونیم سے بنی ہوتی ہے اس سے نیچے کا حصہ سلیکن اور میگنیشیم سے بنا ہوتا ہے اس کے علاوہ اس سے نیچے کے حصے میں کچھ دوسری ماڈے جیسے نیکل، فیرم وغیرہ ہوتے ہیں۔ (2) کرۂ باد (Atmosphere)، اس میں کئی قسم کی گیسیں شامل ہوتی ہیں اس میں سب سے زیادہ حصہ نائٹروجن گیس کا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آکسیجن، کاربن ڈائی آکسائڈ وغیرہ گیسیں بھی اسی حصے میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کرۂ باد ہی بارش اور دوسرے طوفان کو بنانے میں مددگار رہوتا ہے۔

اس عنصر کو چار پرتوں میں تقسیم کیا گیا ہے: کرۂ متغیر (Troposphere)، کرۂ قائمہ (Stratosphere)، درمیانی کرہ (Mesosphere) اور تھرمواسفیر (Thermosphere)۔ چونکہ کرۂ باد کی بلندی بہت زیادہ ہے اور ہر پرت میں مختلف گیسیں اور ان کی صفات موجود ہوتی ہیں اسی لیے ان کو چار حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ (3) کرۂ آب (Hydrosphere) یعنی وہ حصہ جس میں پانی موجود ہے مثلاً سمندر، دریا، نالے، جھیلیں وغیرہ۔ (4) کرۂ حیات (Biosphere) یہ ماحول کا وہ بنیادی حصہ ہے جس میں اوپر بیان کیے گئے تینوں کرہ شامل ہیں یعنی وہ حصہ جہاں جاندار موجود ہوں۔ مثلاً جہاں درخت، پہاڑ، ندی یا سمندر، گھاس، پودے، کیڑے مکوڑے، جانور، پرندے، مچھلی، مینڈک، مگرمچھ اور انسان وغیرہ سب جن میں جان ہو وہ تمام شامل ہیں۔

تو بچو! یہ تو بات ہوگئی ماحول کے بارے میں۔ اب ذرا ہم یہ بھی جانیں گے کہ ماحولیاتی نظام کیسے بنتا ہے؟ دراصل

ماحولیاتی نظام کے بننے میں دو قسم کے ماحولی اجزا شامل ہوتے ہیں۔ پہلا قدرتی اجزا اور دوسرا مصنوعی اجزا۔ قدرتی اجزا میں سب طرح کے جانور اور پیڑ پودے وغیرہ شامل ہیں۔ قدرتی اجزا کا اثر انسانی زندگی پر ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پیڑ پودے انسانوں کی مدد سے پھلتے پھولتے ہیں۔ انسان ان کا خیال کر کے ان کو پروان چڑھاتا ہے اور دوسری طرف پیڑ پودے اپنے پھل، پھول، اناج کے ذریعے انسانوں کو زندہ رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھانے اور پینے کے ذریعے ہی انسانوں میں حرکت ہے۔ اسی طرح ہوا، پانی، مٹی، سورج کی روشنی جیسے قدرتی اجزا انسان کو زندگی بسر کرنے میں تعاون کرتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں پیڑوں کی کمی، صاف پانی کی کمی ہوتی جا رہی ہے کیونکہ انسانوں کی مسلسل بڑھ رہی آبادی نے جنگلات و پہاڑ پر بھی اپنا بسیرا کرنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے پیڑوں کی کٹائی ہو رہی ہے اور جنگلی جانوروں کے رہنے کے لیے جنگلات کم ہوتے جا رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جنگلات میں رہنے والے جانوروں کی تعداد میں بھی مسلسل کمی آتی جا رہی ہے۔ کسی شاعر نے پیڑوں سے محبت پر یہ شعر کہا ہے۔

عجیب درد کا رشتہ تھا سب کے سب روئے
شجر گرا تو پرندے تمام شب روئے

ہمارا قدرتی نظام پوری طرح سے بگڑ چکا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچو! کہ آپ زیادہ سے زیادہ پیڑ لگائیں اور کائنات کی خوبصورتی کو بنائے رکھیں۔ اب مصنوعی اجزا کی بات کی جائے تو یہ وہ اجزا ہیں جس میں انسان کی اپنی کوششیں شامل ہوتی ہیں۔ اس میں وہ تالاب، جھرنا، باغ، کھیت، آبی ذخیرے شامل ہوتے ہیں جن کو انسان نے اپنی محنت اور لگن سے بنایا ہو۔ کچھ لوگ تالاب بنواتے ہیں اس میں مچھلیاں پالتے ہیں۔ کچھ لوگ باغ میں پھلوں کے درخت لگاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو آبی ذخیرے بنواتے ہیں جس میں روزمرہ کی ضروریات کا پانی جمع کیا جا سکے اور دیگر کاموں میں بھی لایا جا سکے۔

بچو! آپ کو معلوم ہے ہندوستان میں آبادی کے اضافے کی وجہ سے غریبی اور بے روزگاری جیسے مسئلے نے جنم لیا ہے اس کے علاوہ انسانوں کی ضروریات میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مختلف قسم کی فیکٹریوں کی تعداد کی وجہ سے آج ماحولیاتی نظام اس قدر متاثر ہو گیا ہے کہ فضائی آلودگی اور آبی آلودگی جیسے دو مسائل کھڑے ہو گئے ہیں۔ ان سب کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بچو! آپ اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ ہوشیاری سے کام لیں مثلاً درختوں کی کٹائی نہ ہونے دیں، نئے درخت لگائیں، گھروں کے گندے پانی کو سڑکوں پر نہ بہنے دیں، بارش کے پانی کو محفوظ کریں، اپنے گھر کے آس پاس گندگی و کوڑا جمع نہ ہونے دیں وغیرہ ایسے بہت سے کام کر سکتے ہیں جس سے ہمارے ماحولیاتی نظام کو محفوظ رکھ کر اس کو اور بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ کوشش کریں کہ کائنات کے حسن کو باقی رکھنے میں خود، پڑوسیوں اور ساتھیوں کی مدد لے کر کام کریں۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے۔

تم لگاتے چلو اشجار جدھر سے گزرو
اس کے سائے میں جو بیٹھے گا دعا ہی دے گا

■

Asna Sahar
B-213 G.T.B Nagar
Kareli
Allahabad - 211016 (UP)
Mob.: 8353914228
Email.: asnasahar93@gmail.com

محمد حفظ الرحمن ندوی

ماحولیات اور ہم

ماحول ان تمام حالات اور اثرات کا مجموعہ ہے جو زمین پر موجود تمام جانداروں کی نشوونما کے ساتھ زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ ماحول کو ماحول یا حالات سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ جاندار اور بے جان کا مجموعہ ہے۔ ماحولیات کے تصور سے مراد جسمانی اور حیاتیاتی دنیا کے تمام عناصر ہیں۔ چونکہ انسانی زندگی ماحول پر منحصر ہے، لہٰذا ماحول انسانی زندگی کی بقا میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ماحول کی حیثیت ایک مکمل اکائی کی ہے جس میں نامیاتی (Organic) اور غیر نامیاتی (Inorganic) اجزا تشکیل پاتے ہیں۔ ماحولیات میں جاندار اور غیر جاندار تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اور اس میں پائے جانے والی تمام چیزوں کو انسان کے لیے پیدا کیا ہے اور اس کائنات کو آسمان، سورج، چاند اور ستاروں سے مزین کیا ہے۔ زمین کی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لیے اونچے اونچے پہاڑ، سرسبز و شاداب وادیاں، قسم قسم کے پھل دار درخت، رنگ برنگ کے پھول اور پودے پیدا کیے جن کے ذریعے ہم فرحت و شادمانی حاصل کرتے ہیں اور اپنے دل و دماغ کو سکون پہنچاتے ہیں۔ پیاس بجھانے کے لیے خالص اور ٹھنڈے پانی کے چشمے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے ندی، نالے اور دریا بنائے۔ اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنی نعمتیں اللہ نے ہمیں عطا کی ہیں۔ جن کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ یہ سب چیزیں انسان کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ایک خوشگوار ماحول بھی فراہم کرتی ہیں۔

جس جگہ ہم رہتے اور زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے آس پاس کی تمام چیزیں مثلاً انسان، حیوان، چرند، پرند جیسی جاندار اور پیڑ پودے، ہوا، پانی اور مٹی جیسی بے جان چیزیں سب ماحول کا حصہ ہیں۔ ماحول پاکیزہ، صاف ستھرا اور خوشگوار ہو تو انسان روحانی خوشی محسوس کرتا ہے، لیکن یہی ماحول پراگندہ اور آلودہ ہو جائے تو انسان فرحت و مسرت، ذہنی سکون و آرام سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی مسلسل عذاب کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے جو اپنی ذہانت اور ہمت سے کام لے کر ماحول پر قابو پا لیتا ہے۔ جیسے جیسے دنیا ترقی کرتی گئی اور نئے نئے وسائل و ذرائع پیدا ہوتے گئے ویسے ویسے ہمارا ماحول بھی بدلتا گیا اور اس میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے پیدل سفر کرتا تھا، اور طویل سفر کے لیے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں سے کام لیتا تھا۔ مگر آج زمانہ ترقی کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بہت آگے نکل چکا ہے اور اب وہ سفر کے لیے سائیکل، رکشے، موٹر سائیکلوں، کاروں، بسوں، ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کا استعمال کرتا ہے اور ان وسائل نے سفر کو اب بہت آسان کر دیا ہے۔ ہم مہینوں کا

سفر ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ آمد ورفت کے ان تیز ذرائع نے ہماری زندگی میں جہاں ایک طرف بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں تو وہیں دوسری طرف اس کی وجہ سے ہمارے ماحول میں کافی تبدیلی آ گئی ہے اور ہمارا ماحول اب پہلے کی طرح صاف ستھرا اور خوبصورت نہیں رہا جو انسان کو روحانی خوشی اور سکون فراہم کر سکے۔ ہم اس بدلتی اور ترقی یافتہ دنیا میں اکثر اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کس طرح سے ہماری سڑکیں اور شاہراہیں ٹریفک کی رش کی وجہ سے انتہائی مصروف ہیں اور سڑکوں پر گاڑیوں کی اتنی بھرمار ہوتی ہے کہ سڑک پار کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ بسوں، کاروں، موٹر سائیکلوں کے انجنوں اور کارخانوں سے نکلنے والا دھواں فضا کو بری طرح آلودہ اور پراگندہ کر رہا ہے۔ پٹرول کی بو اور گرد وغبار کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہو چکا ہے اور گاڑیوں کا شور الگ عذاب بنا ہوا ہے۔

اس وقت ہمارا قدرتی ماحول، ہماری زمین اور اس کے وسائل شدید خطرات کی زد میں ہیں۔ اس کا اصل سبب ترقی کی دوڑ اور زیادہ سے زیادہ پرتعیش زندگی کی ہوس ہے۔ بڑھتی ہوئی صنعت کاری، آمدورفت کے بڑھتے ہوئے ذرائع اور شہرکاری (Urbanization) یہ تمام جدید تہذیب وتمدن کی نشانیاں ہیں۔ یہ اور اس جیسے کئی عوامل مل کر ماحول کو آلودہ کرنے میں بہت اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ جنگلات کی صفائی، ایندھن، گاڑیوں اور فیکٹریوں سے نکلنے والا دھواں، دنیا کے مختلف خطوں میں آئے دن ہو رہی جنگوں میں استعمال مہلک بارود، فضائی آلودگی کا سبب ہیں۔ لکڑی، کوئلہ، پٹرول، گیس کا استعمال فی زمانہ بطور ایندھن ہوتا ہے۔ 20 فیصد فضائی آلودگی کی ذمے دار فیکٹریاں ہیں جن سے انتہائی مہلک گیسوں کا اخراج ہوتا ہے جو انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہوتی ہیں۔

صاف ستھرا اور آلودگی سے پاک پانی اگر نایاب نہ سہی تو کم یاب ضرور ہو گیا ہے۔ فیکٹریوں کا فضلہ، گھریلو فضلہ اور اس قسم کی کئی گندگیاں ندیوں اور نالوں میں ہی ڈالی جاتی ہیں۔ جس کی بنا پر آلودہ ہوتا جا رہا ہے۔ آلودہ پانی پینے کی وجہ سے ہر سال اموات کی شرح بڑھتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری زمین کو مختلف پیڑ پودوں، درختوں کے ذریعے بہت ہی خوبصورت بنایا ہے۔ یہ جنگلات جہاں زمین میں پانی کو روکے رکھتے ہیں وہیں مختلف اقسام کے جانوروں کی پناہ گاہیں بھی ہیں۔ ان جنگلات کی کٹائی کی وجہ سے جانوروں کی کئی اقسام ناپید ہو گئی ہیں۔

ماحولیاتی خرابی کی وجہ سے انسانوں کی قوت مدافعت کم ہو رہی ہے۔ طرح طرح کے بیکٹیریا اور وائرس نمو پا رہے ہیں۔ مختلف بیماریاں پروان چڑھ رہی ہیں۔ نفسیاتی صحت متاثر ہو رہی ہے۔ دور جدید کی کئی مہلک بیماریوں اور وباؤں کی تباہ کاریوں کا تعلق بھی ماحولیاتی بحران سے ہے۔ اگر ماحولیاتی بحران کی صورت حال پر کنٹرول نہیں کیا گیا تو ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کی بقا خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو ہم ایک ایسی دنیا دے کر جائیں گے جس کی ہوا، پانی غذا سب کچھ زہر آلود ہوگی اور جہاں صحت مند انسان بھی صحت بخش سانس کے لیے کووڈ کے مریض کی طرح تڑپنے پر مجبور ہوں گے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ماحولیات کے تحفظ کو یقینی بنائیں اور لوگوں میں اس کے تئیں بیداری بھی لائیں تاکہ ہمارا ماحول صاف ستھرا اور خوشگوار بن سکے اور آلودگی سے محفوظ رہے۔

■

Md Hifzur Rahman Nadwi
C-145/1, Ground Floor, Tayyeb Lane
Shaheen Bagh
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 9717474256

کہانی

محمد اسد اللہ

نیکی کر دریا میں ڈال

اردو گرلز ہائی اسکول میں ایک دن یہ خبر عام ہوگئی کہ جلد ہی وہاں کوئی نئی ٹیچر آنے والی ہیں اور ہوا بھی وہی ، چند دنوں بعد فرزانہ میڈم کا وہاں تبادلہ ہوگیا۔ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اصولوں کی بڑی پابند ہیں، سخت ہیں اور اتنی ہی محنتی بھی۔ اچھے ٹیچرس میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔ان کے آتے ہی اسکول کا ماحول بدل گیا۔چند ہی دنوں میں سب نے محسوس کیا کہ اسکول میں دھیرے دھیرے بہت کچھ بدل رہا ہے۔سب سے پہلے اسکول میں دعا کے وقت جہاں اسٹیج پر تین چار مخصوص لڑکیاں موجود ہوتی تھیں،اب ہر دن نئے نئے چہرے دکھائی دینے لگے۔ہر کلاس سے قابل طالبات کو جانچ پرکھ کر موقع دیا جانے لگا۔پیش درس میں اب نئے نئے گیت، نظمیں، اقوال اور سبق آموز واقعات وغیرہ سنائے جاتے تھے۔ان سب سے طالبات میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا تھا۔

دو ماہ بعد فرزانہ باجی کی ترقی ہوگئی اور انھیں اسی اسکول میں نائب صدر معلّمہ بنا دیا گیا۔اس کے بعد جیسے اسکول میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

فرزانہ باجی نے ایک دن پیش درس کے دوران یہ اعلان کیا کہ ہر ماہ اسکول کی کسی کلاس کو بہترین کلاس کا اور ہر کلاس سے ایک طالبہ کو بہترین طالبہ کا اعزاز دیا جائے گا۔جو کلاس صاف ستھری اور نظم و ضبط کی پابند ہوگی اسے ایک اسٹار ملے گا،طلبا کی زیادہ حاضری کے لیے الگ اسٹار اور کلاس کی سجاوٹ کے لیے الگ اسٹار ہوگا۔ یہ اسٹارس اس کلاس کے دروازے پر سجائے جائیں گے۔ بہترین طالبات کو سوشل گیدرنگ میں سرٹیفکٹ اور انعام دیا جائے گا۔

اس سے پہلے اسکول کی لائبریری میں کوئی جھانکتا نہ تھا۔ لائبریرین ہمیشہ اسکول کے دیگر کاموں میں مصروف رہتے۔ وہ بہت کم لائبریری میں پائے جاتے تھے۔جب وہاں موجود ہوتے تو اپنی کرسی پر بیٹھے اونگھتے ہوئے نظر آتے تھے۔ٹیبل کرسیوں پر ہر وقت گرد جمی رہتی تھی۔ بچے اپنی پسند کی کتابیں تلاش کرنے وہاں جاتے تو انھیں الماریوں کے شیشیوں کے اندر کتابیں بے بس قیدیوں کی طرح نظر آتیں،الماریوں پر بڑے بڑے تالے جو پڑے تھے۔بچوں کو محسوس ہوتا جیسے کتابیں بہت دیر سے ان کا انتظار کر رہی ہیں، ان کے ہاتھوں میں آنے کے لیے بے چین ہیں اور انھیں دیکھتے ہی مچلنے لگی ہیں۔ارشد سر اسکول کے کاموں پر اکثر کچھ نہ کچھ کہا کرتے تھے۔لڑکیاں ان سے کتابیں مانگتیں تو وہ کہتے ”بچو!تمہارے اسکول کی لائبریری ہاتھی دانت کی بنی ہے۔بس اسے دور سے دیکھ کر اپنا کلیجا ٹھنڈا کر لیا کرو“ جب فرزانہ باجی کی ترقی ہوئی تو لائبریری کی بھی قسمت جاگ اٹھی۔اب وہاں طالبات کی قطاریں نظر آنے لگیں۔لائبریرین کے ٹیبل پر اور الماریوں میں طلبا کے لیے رنگ برنگی نئی نئی کتابیں اور بچوں کے رسائل نظر آنے لگے۔

فرزانہ باجی کی کلاس میں بھی لڑکیاں نئے نئے کاموں میں مصروف ہوگئی تھیں۔ ایک دن انھوں نے طالبات کو ایک عجیب قسم کا پروجیکٹ دیا۔ اس کے تحت تمام لڑکیوں کو سات کام بتائے گئے جو دن بھر میں کرنے تھے اور ان کیے گئے کاموں کے لیے ایک خاص بیاض میں اتنے ہی نشانات لگانے تھے۔ صحیح کا ہر نشان بتائے گا کہ انھوں نے ایک کام کیا ہے۔

اور ان نشانات کو گن کر طے کیا جائے گا کہ انھوں نے دن بھر میں کتنے کام کیے ہیں۔ وہ کام یہ تھے:

1 صبح جلدی اٹھنا۔

2 دن بھر میں پانچوں نمازوں کا اہتمام کرنا۔

3 وقت پر اسکول آنا اور پیریڈ شروع ہونے سے پہلے کلاس میں حاضر رہنا۔

4 دن بھر میں کم از کم دس لوگوں کو خود سلام کرنا۔

5 اپنی ساری کتابیں، کپڑے، جوتے اور سامان خود احتیاط سے ترتیب وار رکھنا۔

6 اسکول یا گھر میں کسی کی مدد کرنا۔

7 جھوٹ نہیں بولنا۔

ہفتے کے آخر میں کلاس کی چند طالبات وہ بیاضیں جمع کر کے باجی کے روم میں رکھ آتیں۔ ان کے ٹیبل پر بیاضوں کا پہاڑ سا بن جاتا اور دو تین دن میں چیک ہونے کے بعد واپس لاکر طالبات میں تقسیم کر دیتیں۔ ہر بیاض پر سرخ سیاہی میں باجی کے خوبصورت دستخط ہوتے جنھیں دیکھ کر لڑکیاں باغ باغ ہوجاتی تھیں۔ کبھی کبھی کسی بیاض پر کوئی ریمارک بھی نظر آتا۔ بیاض پر کور چڑھاؤ، اچھا پین استعمال کرو، صفائی کا خیال رکھو وغیرہ۔

ایک دن باجی کلاس میں آئیں تو ان کے ہاتھ میں ثریا کی بیاض تھی۔ ثریا کلاس کی سب سے زیادہ ملنسار، ذہین، محنتی اور نیک طالبہ تھی۔ وہ سبھی کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتی تھی۔ کبھی کسی نے اس کی کوئی شکایت نہیں کی۔ وہ پڑھائی میں بہت تیز تھی اس کا خط بھی بہت اچھا تھا۔ ثریا کی ان ہی خوبیوں کو دیکھ کر اسے کلاس مانیٹر بنایا گیا تھا۔ باجی نے سبق ختم کرنے کے بعد اسے اپنے پاس بلایا اور اس کی بیاض کھول کر ٹیبل پر رکھی اور ذرا تیز آواز میں پوچھا: ’’یہ کیا ہے؟‘‘

ثریا خاموش کھڑی رہی۔ فرزانہ باجی نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور نرم لہجے میں کہا: اچھا، یہاں آؤ، اب بتاؤ، تم نے اس پر صحیح کے نشانات لگانے کے بجائے غلط کے نشانات کیوں لگائے۔ ہر صفحے پر کہیں ایک کہیں دو نشانات ہیں۔ یہ کراس کس لیے ہے؟

’’میں نے اتنے کام نہیں کیے ہیں۔‘‘ ثریا نے دھیرے سے کہا۔

’’اچھا! یعنی باقی سارے کام کیے ہیں۔‘‘

’’جی‘‘

’’تم نے جو اچھے کام کیے ہیں، ان کے لیے صحیح کا نشان کیوں نہیں لگایا؟‘‘

’’جو کیا وہ بتانا مجھے اچھا نہیں لگا باجی!‘‘

ویری گڈ! تمھاری اس بات میں بھی ایک بات ہے، یعنی نیکی کر دریا میں ڈال، ٹھیک ہے، جاؤ!

اس ماہ ثریا کو اس کلاس کی سب سے بہترین طالبہ قرار دیا گیا۔

■

Mohd Asadullah
30, Gulistan Colony, Near Panday
Amrai Lawns
Nagpur- 440013
Distt: Amrawati (Maharashtra)
Mob.: 9579591149

جہانگیر انس

امیر یا فقیر

رضی روز کی طرح آج بھی اسکول جانے کے لیے گاندھی چوک سے گزر رہا تھا تو اسے ایک نیا فقیر نظر آیا۔ وہ فقیر جوان تھا، اس کی صحت اچھی تھی، ہاتھ پاؤں سلامت تھے، اندھا کانا یا بہرہ بھی نہیں تھا لیکن اس کے چہرے پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں، بڑے بڑے الجھے ہوئے گرد آلود بال، بے ترتیب بڑھی ہوئی داڑھی و مونچھیں جنھیں دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے مہینوں سے غسل نہیں کیا ہے اور نہ شیو بنایا ہے، جسم پر بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑے، آنکھیں خون کی طرح لال، یہ لالی زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے تھی یا شب بیداری یا کسی اور خاص وجہ سے اس کا اندازہ لگانا رضی کے لیے ممکن نہیں تھا، اس کے جسم سے ایک عجب قسم کی بو آ رہی تھی۔

رضی کی عمر بارہ سال ہے، وہ آٹھویں کلاس کا طالب علم ہے، فطرتاً وہ ایک حساس اور رحم دل لڑکا ہے۔ وہ تجسس پسند بھی ہے، فقیر کا حلیہ دیکھ کر اس کے اندر کی تجسس پسندی بیدار ہوگئی، وہ فقیر اسے بہروپیا نظر آیا۔ وہ اس کی حرکات وسکنات دیکھنے کے لیے سڑک کے ایک طرف اس طرح کھڑا ہوگیا کہ اسے فقیر نہ دیکھ سکے لیکن وہ فقیر کو دیکھ سکے اور اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے سکے اور اس کی باتیں سن سکے۔

وہ فقیر نوجوانوں کو دیکھ کر اپنا سر جھکا لیتا اور ان سے کوئی سوال نہیں کرتا لیکن جیسے ہی کوئی کم عمر بچہ نظر آتا اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ''بابو! میں بہت غریب ہوں، دو دن کا بھوکا ہوں، میری مدد کرو، اللہ آپ کی سب تمنائیں پوری کرے گا، اعلیٰ تعلیم عطا فرمائے گا، اعلیٰ عہدہ عطا فرمائے گا، دھن دولت سے نوازے گا۔''

جب کوئی بوڑھا شخص گزرتا تو کہتا ''بابا، میں بہت مجبور اور لاچار ہوں، میرا مکان جل گیا ہے، کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں، دو دن کا بھوکا ہوں ایک چھوٹی بہن ہے وہ بھی بھوک سے تڑپ رہی ہے۔ میں دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا

ہوں، کہیں کوئی کام نہیں ملتا۔ آپ دیالو ہیں، میری مدد کیجیے آپ کے بال بچے سدا سکھی رہیں گے، ہمیشہ پھولے پھلیں گے…‘‘

جب کسی عورت کو دیکھتا تو کہتا ماتا جی یا بہن جی، سیلاب نے میرا سب کچھ تباہ کر دیا ہے، میں بہت غریب اور لاچار ہوں، میری مدد کیجیے، مجھے اپنا بھائی یا بیٹا سمجھ کر میری مدد کیجیے…‘‘

رضی کو اس کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں وہ سوچ رہا تھا کہ یہ فقیر نہایت ہی چالاک ہے۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کے سامنے اس لیے ہاتھ پھیلا رہا ہے کہ یہ دل کے نازک، رحم دل اور حساس ہوتے ہیں ان کے اندر جذباتیت بہت زیادہ ہوتی ہے بہت جلد کسی کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن نوجوان حقیقت پسند ہوتے ہیں، مختلف قسم کے سوال کرنے لگتے ہیں، نصیحت کرنے لگتے ہیں کبھی کبھی جھڑک بھی دیتے ہیں۔

ایک بات رضی کو بہت زیادہ کھٹک رہی تھی کہ یہ فقیر متضاد باتیں کر رہا ہے، کسی سے سیلاب میں برباد ہو جانے کا ذکر کر رہا ہے تو کسی سے گھر جل جانے کا، واقعی یہ فقیر، فقیر نہیں بہروپیا ہے جسے لوگوں کی نفسیات کا علم ہے۔ کسی کو کس طرح متاثر کیا جا سکتا ہے اس فن سے خوب واقف ہے۔ اس کو اس وقت اپنے دادا مرحوم کی یاد آ رہی تھی جو کہا کرتے کہ اس دنیا میں کچھ لوگوں کے نزدیک دولت حاصل کرنے کا سب سے اچھا نسخہ چندہ مانگنا یا بھیک مانگنا ہے۔ اس لیے کسی کو چندہ دینے یا بھیک دینے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کہیں آپ کو بے وقوف تو نہیں بنایا جا رہا ہے۔

رضی کے دادا مرحوم اپنے اسکول کے زمانے کے ایک دوست کا واقعہ سناتے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے کوئی نوکری حاصل کرنے کے بجائے چندہ مانگنے کا دھندہ شروع کر دیا۔ گھر سے مہینوں غائب رہتا، جب واپس آتا تو کافی پیسے لے کر آتا جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ اس نے کئی مکانات تعمیر کرائے جنھیں کرائے پر چلاتا، سبھی حیران تھے کہ جب یہ کوئی کام نہیں کرتا ہے تو اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے ہیں۔ میں جب بھی اس کے کام کے متعلق دریافت کرتا تو ہنس کر ٹال دیتا۔ ایک دن مجھے کسی کام سے لکھنؤ جانا پڑا، وہاں میں نے ایک لاج میں قیام کیا، اسی لاج میں اس سے ملاقات ہوگئی۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ دوران گفتگو اسے واش روم میں جانا پڑا۔ وہ واش روم میں چلا گیا تو میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ اس کے کمرے میں مختلف فلاحی اداروں اور مدرسوں کی رسیدوں کی جلدیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس کے کام اور آمدنی کا ذریعہ میری سمجھ میں آ گیا۔ میں نے اس سے کچھ نہیں کہا لیکن میرے ضمیر نے اس کے پیش کردہ چائے اور ناشتہ کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ وہ سنایا کرتے کہ ایک سرکاری دفتر میں رفیع نام کا ایک کلرک تھا۔ آفس آتے جاتے اسے ایک لڑکی نظر آتی، اسے اس لڑکی سے محبت ہوگئی، اور یہ محبت اتنی گہری تھی کہ اس نے لڑکی کے کوائف جانے بغیر اس سے شادی کر لی۔ اس لڑکی کا تعلق ایک پیشہ ور گداگر گھرانے سے تھا۔ رفیع جب دفتر چلا جاتا تو وہ لڑکی بھیک مانگنے کے لیے نکل جاتی اور اس کی واپسی سے قبل لوٹ آتی۔ ایک دن آفس میں رفیع کی طبیعت خراب ہوگئی وہ لنچ کے وقت چھٹی لے کر گھر چلا آیا۔ گھر پہنچا تو دروازے پر تالا لٹک رہا تھا۔ اسے سخت حیرت ہوئی کہ اس کی بیوی اس وقت کہاں گئی ہے۔ انتظار کے علاوہ کیا کر سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی بیوی واپس آئی۔ اس کا حلیہ دیکھ کر رفیع کو

سخت حیرت ہوئی اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اس کی بیوی بھیک مانگتی ہے اسے سخت صدمہ ہوا۔ اس مسئلہ کو لے کر دونوں میں سخت جھگڑا بھی ہوا۔ اس کی بیوی اپنے بھیک مانگنے کی عادت کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ رفیع اپنی بیوی کو طلاق دینے کا تصور نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور اس کے بھیک مانگنے کی عادت کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کی اجازت اس کا ضمیر نہیں دے رہا تھا۔ کافی بحث ومباحثہ کے بعد اس کی بیوی نے کہا ''میں بھیک مانگنا چھوڑ دوں گی لیکن میری ایک شرط ہے؟''

رفیع نے پوچھا ''کیسی شرط''

بیوی نے کہا ''تم بھی میرے ساتھ ایک ہفتہ بھیک مانگو۔''

رفیع کو بیوی کی شرط سن کر کافی حیرت ہوئی لیکن وہ تیار ہو گیا اس نے دفتر سے ایک ہفتہ کی چھٹی لی اور اپنے چہرے کو چھپا کر تا کہ واقف کار پہچان نہ لیں، بیوی کے ساتھ بھیک مانگنے لگا۔

دیکھتے دیکھتے ایک ہفتہ گزر گیا۔ آٹھویں دن، صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو اس کی بیوی نے کہا ''آپ نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے آج آپ آفس جانے کے لیے تیار ہوجایئے۔ آج سے میں بھی بھیک مانگنا بند کردوں گی۔''

رفیع نے یک ہفتہ میں بھیک سے حاصل رقم کا حساب کیا جو ایک مہینے کی تنخواہ سے بھی زیادہ تھی۔ اس نے بیوی کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا ''میں آج آفس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کردوں گا، نوکری سے بہتر تو یہی کام ہے، کوئی ذمے

داری، نہ کسی کی جواب دہی اور نہ وقت کی پابندی۔'' انسان کا ضمیر جب مرجاتا ہے تو اسے حلال وحرام اور نیک و بد کا احساس بھی نہیں رہتا۔

کار کے ہارن کی آواز سن کر رضی اپنے دادا مرحوم کی یاد کی دنیا سے باہر آگیا۔ اس نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا اور فقیر کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر اس وقت ایک انوکھی چمک تھی۔ فقیر نے سوال کرنے کے بجائے رضی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ رضی اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا۔ اس نے سوال کیا''تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟''

فقیر نے جواب دیا''بابو، میں بہت غریب اور بے سہارا ہوں...''

رضی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا''کیا تم واقعی بہت غریب اور لاچار ہو'' اس نے لفظ لاچار پر بہت زیادہ زور دیا۔

فقیر نے چونک کر اسے دیکھا اور کہا''میری حالت اور حلیہ اس بات کی گواہ ہے۔''

رضی نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا''میں ایک بہت امیر وکبیر شخص کا اکلوتا بیٹا ہوں، میرے والد نے اپنی محنت سے بہت دولت حاصل کی ہے۔ وہ میری کسی بات کو رد نہیں کرتے۔ میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ تم ایک کام کرو، اپنا ایک ہاتھ مجھے دے دو، میں تمھیں دس ہزار روپے دوں گا۔'' دس ہزار کی بات سن کر فقیر کے دل میں لالچ پیدا ہوئی، لیکن اسے اپنے ہاتھ کی اہمیت کا احساس ہوا، اس نے کہا نہیں میں اپنا ہاتھ نہیں دے سکتا۔

رضی نے کہا''تم اپنے دونوں کان کاٹ کر مجھے دے دو، بیس ہزار روپے دوں گا۔''

فقیر نے کہا''نہیں میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔''

رضی نے کہا''تم اپنے دونوں پیر مجھے دے دو میں تمھیں دو لاکھ روپے دوں گا۔''

فقیر نے کہا''اس طرح تو میں اپاہج ہوجاؤں گا؟''

رضی نے جواب دیا''کیا ابھی تم اپاہج نہیں ہو؟''

فقیر نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا''کیا میں تمھیں اپاہج نظر آرہا ہوں؟''

رضی نے کہا''اپاہج تو نہیں، بے غیرت نظر آرہے ہو، تمھارا ضمیر مرچکا ہے، اچھا اس بات کو چھوڑو میں تمھیں پانچ لاکھ روپے دوں گا، اپنی دونوں آنکھیں مجھے دے دو۔''

فقیر نے جھنجھلا کر کہا'پانچ لاکھ تو معمولی رقم ہے اگر تم مجھے پچاس لاکھ دو گے تب بھی اپنا کوئی جسمانی اعضا نہیں دے سکتا۔''

فقیر کی بات سن کر رضی زور سے ہنسا اور بولا''بے حیا انسان، جب تمھارے پاس اتنی قیمتی چیزیں ہیں جنھیں تم پچاس لاکھ میں بھی دینے کو تیار نہیں، پھر بھی اپنے آپ کو غریب کہتے ہو، تم غریب نہیں فراڈ یا بطال ہو، جانتے ہو بطال عربی زبان میں بیکار اور نکمے کو کہتے ہیں، ماضی میں اسے گالی سمجھا جاتا تھا، تمھارے جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی لوگ غریبوں کی مدد کرنے سے ہاتھ اٹھالیتے ہیں...''

رضی کی بات سن کر نام نہاد فقیر نے شرم سے سر جھکا لیا۔ ایک بارہ سال کے بچے نے جس طرح اس کی حقیقت اجاگر کی تھی اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

■

Jahangeer Uns
Vill.: Ranipur
Post: Barharia
Siwan- 841232 (Bihar)
Mob: 9162357830

غلام فرید

کہانی

بونے میاں

رضی ساتویں جماعت میں نمایاں نمبرات سے کامیاب ہوا تھا۔ گاؤں میں ہائی اسکول تھا لیکن اس کے والد اسے شہر میں تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ اس لیے اس نے شہر کے اسکول میں داخلہ لے لیا۔ رضی ایک نہایت ہی شریف لڑکا تھا۔ سب سے عزت سے پیش آتا، اساتذہ کی عزت کرتا اور اساتذہ کی فرماں برداری کرنا تو جیسے اس کی سب سے اچھی عادت تھی۔ اپنی اس خوبی کے سبب رضی نے جلد ہی اسکول کے طلبہ میں اپنی پہچان بنا لی تھی۔ اساتذہ بھی پر اس پر توجہ دینے لگے تھے۔ رضی بہت ہی اعلیٰ اخلاق سے سبھی سے پیش آتا تھا۔ اسے پریشانی صرف اسی بات کی تھی کہ جیسے رضی صرف تین حرفوں کا اس کا چھوٹا سا نام تھا ویسے ہی اس کا قد بھی بہت چھوٹا تھا۔ وہ گاؤں کا رہنے والا تھا، اس لیے شہر کے اسکول میں کچھ سہما سہما رہتا تھا، اسی اسکول میں سعد نامی ایک لڑکا تھا جسے کسی بھی طالب علم کو چڑھانے، کسی کا پین لے لینے یا کسی کا بیگ چھپا دینے میں بہت مزہ آتا تھا۔ وہ ہر قسم کی شرارت کرتا رہتا تھا۔ گاؤں سے آئے رضی کو اس نے نرم چارہ سمجھ کر کچھ پریشان کرنے کا فیصلہ کرلیا، لیکن اب کی بار اس نے سوچا کہ یہ پین لے لینا بیگ چھپا دینا یہ بورنگ پروگرام ہو گیا اب کچھ دوسرا کرتے ہیں۔ تب اس کا خرافاتی دماغ کوئی آئیڈیا سوچنے لگا۔ ایک دن وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے رضی ایک خوب سے لمبے لڑکے کے ساتھ اسکول کے گراؤنڈ میں آتا ہوا دکھائی دیا، وہ دل ہی دل میں خوش ہوا، اور کہنے لگا مل گیا شکار... اس کے شرارتی دوست بھی بہت دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ کر بولے بتاؤ تو کیا کرنے والے ہو... وہ بولا ارے یہ تو بونے میاں بونے میاں کہاں گئے تھے ہے... کہہ کر رضی کا مذاق بنانا شروع کردیا۔ بس پھر کیا تھا یہ سلسلہ چل پڑا۔ سعد کے کچھ شرارتی دوست بھی چھوٹے قد کی وجہ سے اس کا مذاق اڑاتے اور اسے بونے میاں بونے میاں کہہ کر چڑھاتے اور پریشان کرتے رہتے تھے۔

حالانکہ رضی اپنے پرائمری اسکول کا ہیرو تھا، لیکن یہاں شہر میں وہ مذاق بن کر رہ گیا تھا۔ مذاق اڑانے والے لڑکوں

میں سعد بہت آگے آگے رہا کرتا تھا۔ سعد کے بہت زیادہ چڑھانے پر بھی رضی کبھی اس کا جواب نہیں دیتا۔ ایک دن سعد اور اس کے دوست چڑھانے لگے، بونے میاں بونے میاں کہاں گئے تھے، گاؤں کی جھونپڑی میں سو گئے تھے۔ سب خوب ہنسنے لگے لیکن رضی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب رضی کلاس میں اپنا ہوم ورک چیک کروا رہا تھا سعد اس کے پیچھے کھڑا تھا، سعد کا قد لمبا تھا، وہ وہاں سے بھی ہاتھ کے اشارے سے خود کو بڑا اور رضی کو بونا بتانے لگا، اس کے دوست منہ پر ہاتھ رکھ کر دبی آواز میں ہنسنے لگے۔ پھر تفریح میں ایک اور موقع سعد کو مل گیا، زور زور سے کہنے لگا اسے بھائی بونے میاں کی رائٹنگ بھی بونی بونی ہی ہے، پھر زوردار قہقہہ اس کے دوستوں نے لگایا لیکن اس مرتبہ بھی رضی نے کچھ نہیں کہا اور ایک طرف گراؤنڈ میں اکیلا ہی کچھ سوچتے ہوئے بیٹھ گیا۔

اسکول کے شروعاتی دن تھے، رضی کلاس میں پیچھے کے ڈیسک پر بیٹھتا تھا۔ اس کا اب تک کوئی دوست بھی نہیں بنا تھا۔ اسکول میں طلبہ کی بھیڑ میں جیسے رضی گم ہو گیا تھا۔ سعد کا رضی کو چڑھانا روز کا معمول بن گیا تھا حالانکہ سعد بھی بہت ساری خوبیوں کا مالک تھا لیکن وہ برے لڑکوں کی صحبت میں رہ کر یہ برائی سیکھ گیا تھا۔ سعد کی رائٹنگ بہت اچھی تھی، جس کا اسے بہت فخر بھی تھا۔ سعد اسکول اور اسکول کے باہر ہونے والے خوشخطی کے کئی مقابلے اپنی اسکول کے لیے جیت چکا تھا۔ رضی کے علاوہ اور کئی طالب علم بھی سعد کی شرارتوں کے شکار ہو چکے تھے اس لیے وہ بھی اس سے بدلہ لینا چاہتے تھے، انھوں نے رضی کو بھڑکانا شروع کیا کہ اب اپنی اسکول میں تحریری مقابلہ ہوگا تم اپنی رائٹنگ اچھی بناؤ تم کو سعد کو ہرانا ہے، رضی صرف مسکراتا اور کچھ نہ کہتا۔

ایک مہینہ بعد اردو کے استاد نے کلاس میں اعلان کیا کہ اگلے ہفتے سبھی طلبہ کا اردو خوشخطی مقابلہ ہوگا اور سب سے خوشخط لکھنے والے کو انعام سے نوازا جائے گا، سبھی طلبہ بہت خوش ہو گئے۔ رضی بھی مسکرا دیا، اس کے چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اعتماد سے بھرا ہوا ہے۔ اِس اسکول میں سعد ہی ہمیشہ خوشخطی کا مقابلہ جیتتا تھا۔ لیکن اب اس کے مخالف لڑکوں نے

سعد کو چیلنج دینا شروع کر دیا کہ اب تو یہ مقابلہ رضی ہی جیتے گا۔ اس بات نے سعد اور رضی کی دشمنی کو اور بڑھا دیا۔

آخر کار مقابلہ ہوا۔ نتیجہ جاننے کے لیے سب اسمبلی ہال میں سارے طلبہ انتظار کر رہے تھے کہ خوشخطی کے مقابلے میں کون بازی مارتا ہے۔ سبھی کی نظریں سعد اور رضی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ آخر کار استاد نے اعلان کیا اس مقابلے میں جس طالب علم کی تحریر سب سے خوبصورت اور خوشخط ہے وہ ہے سعد... سعد کے دوستوں نے خوب واہ واہ کرنی شروع کر دی اور تالیاں بجانے لگے، لیکن استاد کے اشارہ کرنے پر سبھی خاموش ہو گئے اور دیکھنے لگے کہ استاد کیا کہہ رہے ہیں، استاد نے کہا... اس کے ساتھ ہی ایک اور اعلان کرنا ہے کہ ایک طالب علم ہے جس کی تحریر تو زیادہ اچھی نہیں لیکن وہ کہانی بہت اچھی لکھتا ہے۔ اس نے پیاسے کوّے کی کہانی نئے انداز میں لکھی ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ ٹیچر نے کہا ہم نے اس کے اسکول سے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ اس کا پسندیدہ کام ہے، اسکول میں بھی یہ ایسی کئی کہانیوں کو بدل بدل کر پیش کر چکا ہے۔ اپنے اسکول کے کہانیوں کے مقابلے وہی جیتتا آرہا ہے۔ اس لیے اسے بھی انعام دیا جائے گا اور وہ طالب علم ہے گاؤں سے آیا ہوا رضی... جماعت کے سبھی طلبہ حیران ہو گئے خصوصاً رضی کا مذاق اڑانے والے تو بہت شرمندہ ہو گئے، لیکن ہال میں موجود دیگر طلبہ اور سبھی اساتذہ رضی کے لیے تالیاں بجا رہے تھے، تالیوں کی گڑگڑاہٹ میں رضی فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور اپنا انعام لے کر بڑے وقار کے ساتھ اپنی نشست پر واپس بیٹھ گیا۔ اس کا مذاق اڑانے والے قد میں رضی سے بھلے ہی بہت اونچے تھے لیکن جیسے آج ان کا قد رضی سے بھی چھوٹا ہو گیا تھا۔ سعد اور اس کے دوست پریشان ہو گئے کہ آخر یہ بونے میاں ایسا کیسے کرتا ہوگا۔ ایک دوست نے کہا یار مجھے تو لگتا ہے وہ اکیلا بیٹھ کر یہی سوچتا رہتا ہے۔ اسی لیے تفریح میں کسی کے ساتھ کھیلتا بھی نہیں، ہم اسے چڑھاتے ہیں تو وہ گراؤنڈ یا برآمدے میں جا کر اکیلا سوچتے ہوئے بیٹھا رہتا ہے، یہ کہانیوں کو بدل بدل کر بنانے کا کام وہیں کرتا ہوگا یہ بونے میاں۔ تبھی تو ایک دن مجھے کہہ رہا تھا تمھیں خرگوش کی نئی کہانی سناؤں کیا لیکن میں کب سننے والا تھا...؟

اب سارے اساتذہ رضی ہی کا نام لینے لگے، سعد کا خوشخطی کا مقابلہ سب بھول ہی گئے، سعد کو یہ بہت برا لگا تھا لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اب سعد گم سم رہنے لگا۔ رضی اس کے پاس جاتا لیکن سعد کوئی بات کیے بغیر چلا جاتا۔ ایک دن سعد کو اس نے اداس بیٹھا دیکھا تو وہ اس کے پاس گیا اور کہا چلو جانے دو یار کیا ہم دوست نہیں بن سکتے۔ پہلے تو سعد کے دوستوں نے اعتراض کیا لیکن جب سعد مان گیا تو یہ دشمنی دوستی میں بدل گئی۔

اس طرح رضی اور سعد بہت اچھے دوست بن گئے، رضی کہانی لکھتا اور سعد اسے خوشخط لکھ کر اسکول کی وال میگزین پر لگا دیتا۔ دونوں کی صلاحیتوں سے اسکول کا نام روشن ہو رہا تھا۔ اساتذہ کی جانب سے خوب شاباشی بھی ملتی۔ سبھی طلبہ ان کی دوستی سے بہت خوش تھے۔

بچو! اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کوئی نہ کوئی خوبی ضرور دی ہے۔ انسان قد سے نہیں بلکہ اپنی خوبیوں سے بڑا بنتا ہے۔

■

Ghulam Fareed
Shaheen Colony
Akot- 444101
Distt.: Akola (Maharastra)
Mob.: 9404106123

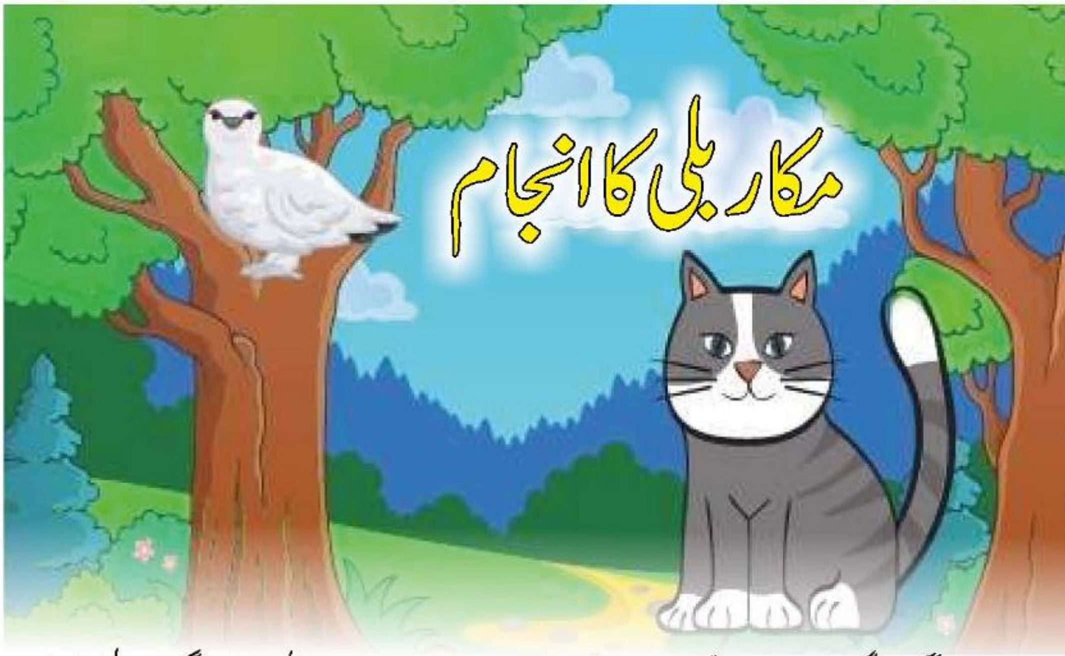

مکار بلی کا انجام

طاہرہ بانو

اسیر گڑھ برہانپور کے گھنے جنگل میں یوں تو سبھی جانور اور پرندے مل جل کر ہنسی خوشی رہا کرتے تھے لیکن موتی محل کے نزدیک موتی ندی کے کنارے ایک بڑے اور پرانے شیشم کے درخت پر رہنے والی بلبل اور اندھی مینا کی جوڑی مثالی تھی، ان کی دوستی اور محبت کی جنگل کے سبھی جانور مثال دیتے، بلبل بہت رحم دل تھی، جب بھی وہ اپنے بچوں کے لیے کھانا لاتی اپنی اندھی پڑوسن مینا کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ضرور لاتی، بلبل کے بچے بہت خوب صورت اور شرارتی تھے اور دن بھر درخت کے نیچے کھیلتے رہتے۔

ایک سال بارش کے موسم میں جنگل میں بہت تیز ہوا چلی اور کالے کالے بادل جنگل پر چھا گئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، جنگل کے سبھی جانور اور پرندے بارش سے بچ کر ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ اسی موسلا دھار بارش میں بلبل کے گھونسلے کے قریب ایک بلی بھیگتی ہوئی آئی اور بلبل سے مدد مانگتے ہوئے بولی ”بلبل بہن! میں بری طرح بھیگ چکی ہوں اور میرا گھر بھی اس تیز بارش میں بہہ گیا ہے، اگر تم کہو تو میں تمہارے اس پیڑ کے نیچے رہ جاؤں، پھر بارش بند ہونے پر یہاں سے چلی جاؤں گی؟“ بلبل کیونکہ بہت رحم دل تھی دوسروں کو دکھ درد اور پریشانی میں دیکھ کر ان کی مدد کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتی تھی، اس لیے اسے بلی کی حالت دیکھ کر اس کی باتوں پر یقین آ گیا اور اس نے اسے شیشم کے پیڑ کے نیچے رہنے کی اجازت دے دی۔ بلی اس بات پر بہت خوش ہوئی اور خوشی خوشی پیڑ کے نیچے رہنے لگی۔

دوسرے دن جب بارش کا تار ٹوٹا تو صبح بلبل کے بچے پیڑ کے نیچے کھیلنے آئے، بلبل کے ان خوبصورت چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر بلی کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے بڑے لاڈ سے بلبل کے بارے میں بچوں سے پوچھا۔ بلی کی باتیں سن کر بچوں نے کہا ”ہاں بلی خالہ! ہماری ماں بہت اچھی ہے۔ دوسروں کا بہت خیال رکھنے والی اور مصیبت میں ان کی مدد کرنے والی ہے۔“ بلی نے پھر مکاری سے کہا ”واقعی تمہاری ماں اتنی ہی اچھی ہے اگر وہ مجھے سہارا نہ دیتی تو میں اتنی طوفانی بارش میں کہاں جاتی۔“ بلی نے بچوں کو ایسی ہی میٹھی میٹھی باتوں میں لگائے رکھا اور پھر اچانک ایک بچے پر حملہ بول دیا، لیکن بچے ہوشیار تھے وہ فوراً

بلی کے ارادوں کو بھانپ گئے اور پھر سے اڑ کر اپنے گھونسلے میں چلے گئے۔ حملہ ناکام ہوتا دیکھ بلی کھسیانی ہوگئی اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

جب بلبل واپس آئی تو بچوں نے ساری بات بتا دی۔ بچوں کی باتیں سن کر بلبل بہت فکر مند ہوگئی لیکن اس نے بچوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''تم بالکل بھی فکرمند مت ہو میں اس مکار بلی کو سبق سکھانے کا کوئی راستہ نکالتی ہوں۔'' پھر بلبل نے اپنی اندھی پڑوسن مینا سے کہا ''مینا بہن! میں کچھ دیر کے لیے باہر جارہی ہوں تم اپنا اور بچوں کا خیال رکھنا۔'' یہ کہہ کر بلبل چلی گئی۔ بلبل کے جانے کے بعد بچے پھر پیڑ سے نیچے اترے تو بلی نے انھیں کھسیاتے ہوئے کہا ''ارے! تم لوگ تو خواہ مخواہ ڈر گئے تھے میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔ تم سب تو بہت اچھے بچے ہو۔ آؤ یہاں کھیلو!'' بچے دوبارہ وہاں کھیلنے لگے۔ جب وہ سب کھیلنے میں مگن ہوگئے تو بلی نے ان پر پھر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ ایک بچہ تو بلی کا نوالہ بنتے بنتے رہ گیا۔ اس حملے سے بلبل کے بچے بہت ڈر گئے تھے اور سہم کر اپنے گھونسلے میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ انھوں نے مینا کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ان کی بات سننے کے بعد مینا بولی ''اب تم لوگ نیچے مت جانا ورنہ یہ مکار بلی پھر سے تم پر حملہ کر دے گی۔''

اس روز جب بلبل واپس آئی تب بچوں اور مینا نے پورا حال اسے بتایا۔ یہ سب سن کر بلبل بولی ''میں نے اس مکار بلی پر ترس کھا کر بہت بڑی غلطی کر دی۔ میں نے اسے اپنے پیڑ کے نیچے رہنے دیا اور وہ میرے ہی بچوں پر دیدے لال کیے بیٹھی ہے۔ کیا یہ ہوتا ہے احسان کا بدلہ۔

کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بلبل بولی ''میں نے اس مکار بلی سے پیچھا چھڑانے کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔ آج میں حضرت نعمان شاہ کے چشموں کے پاس رہنے والی لومڑی خالہ سے ملنے گئی تھی اس نے مجھے بلی سے نجات پانے کی یہ تدبیر بتائی ہے۔''

اسیر گڑھ کی رانی صاحبہ روزانہ اس ندی پر نہانے کے لیے آتی ہیں تم ایسا کرنا جب رانی صاحبہ نہانے کے لیے تشریف لائیں اور اپنا بیش قیمتی جواہرات سے بنا ہار اتار کر کنارے پر رکھے تو تم اپنی چونچ میں اس ہار کو دبا کر اڑ جانا اور کسی طرح اس ہار کو بلی کے گلے میں ڈال کر کہیں آس پاس چھپ جانا۔

اگلے روز جب اسیر گڑھ کی رانی موتی ندی پر نہانے کی خاطر آئیں تو بلبل کا ایک بچہ طے شدہ منصوبے کے تحت ہار اپنی چونچ میں دبا کر اڑ گیا اور اڑتے اڑتے بلی کے قریب پہنچ کر ہار کو بلی کی طرف اچھال دیا۔ جواہرات سے بھرا ہار بلی کے گلے میں جا پہنچا اور بلبل کا بچہ پیڑ کی ایک گھنی ٹہنی کے پیچھے جا چھپا۔ بلی اس وقت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ رانی کے محافظین بلبل کے بچے کا پیچھا کرتے کرتے شیشم کے درخت کے پاس پہنچ گئے۔ جب انھوں نے اپنی رانی کا بیش قیمتی ہار ایک بلی کے گلے میں دیکھا تو فوراً بلی پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہار لے کر واپس چل دیے۔

اس طرح لومڑی کے مشورے پر عمل کر کے بلبل نے مکار بلی سے اپنے بچوں کی جان بچائی۔

■

Tahera Bano
Maka No.: 2492
Mahatma Gandhi Gali No 2
Ward No 33, Khanka Ward
Burhanpur - 450331 (MP)
Mob.: 8817721869

کہانی

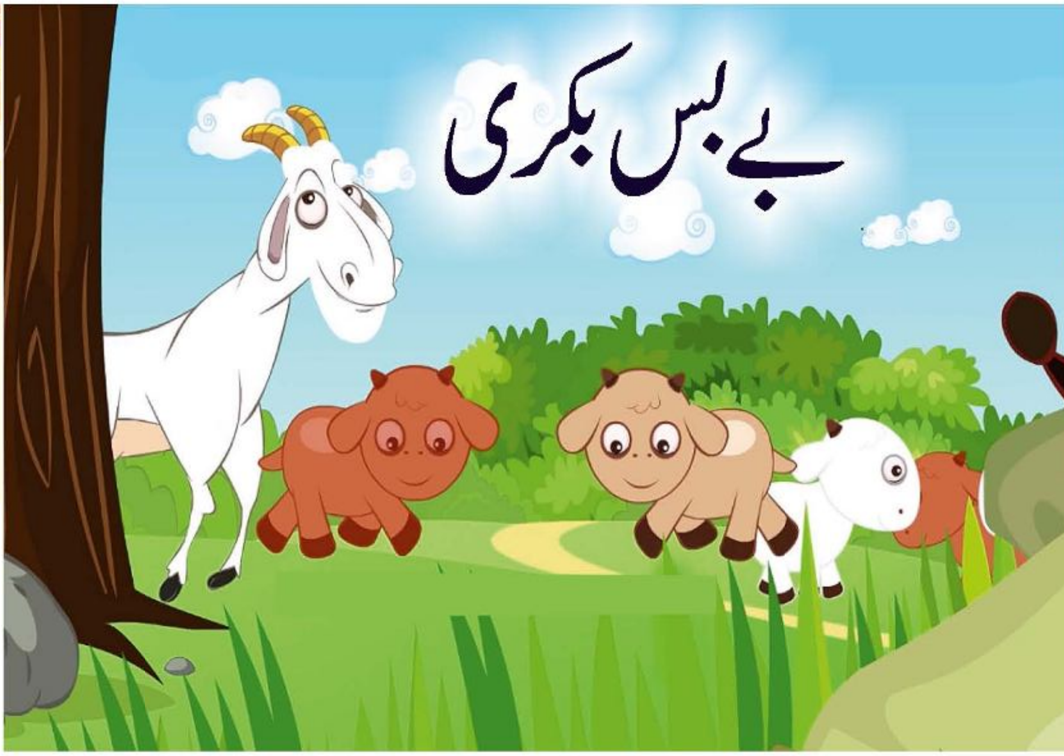

بے بس بکری

انصار احمد درویش

کسی جنگل میں ایک بکری اپنے دو ننھے ننھے بچوں کے ساتھ گزر بسر کر رہی تھی۔ بکری کے بچے چھوٹے تھے وہ ماں کے دودھ پر منحصر تھے۔ ابھی ان کے منہ میں نہ دانت آئے تھے اور نہ ہی انھیں گھاس کھانے سلیقہ تھا۔ اس وجہ سے ماں تھوڑی فکر مند تھی کہ جلد از جلد اس کے بچے بڑے ہو جائیں اور اپنی روزی خود تلاش کر سکیں۔ بکری کی دوسری پریشانی کچھ اس وجہ سے تھی کہ اسی جنگل میں اس نے لکڑ بگھا اور شیر کو کئی بار دیکھا تھا۔ اور دونوں سے وہ خوف زدہ بھی تھی کہ اگر دونوں میں سے کسی نے اسے دیکھ لیا تو اسی دن اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر کہیں دور نہیں نکلتی تھی، نہ اپنے رشتے داروں سے ملتی تھی اور نہ ہی اپنے قبیلے والوں کے ساتھ جنگل میں گھاس چرنے جایا کرتی تھی۔ اپنے قبیلے سے الگ تھلگ رہنے کے باعث ایک دن بکریوں کے جھنڈ نے اسی جنگل کے اپنے علاقے میں ایک عام پنچایت رکھی، جس میں اسی بکری پر بحث ہونی تھی۔ طے کیے گئے وقت پر مکھیا سمیت قبیلے کی سبھی بکریاں جمع ہو گئیں اور پنچایت کی کارروائی شروع ہوئی۔ بکریوں کے مکھیا نے اس بے چاری بکری کے خلاف اعتراض کرنے والوں کو ایک ایک کر کے سنا۔ سبھی نے اس بکری کے خلاف زوردار مقدمہ پیش کیا۔ جسے سن سن کر بکری بے چاری غم کے دلدل میں دھنسی جا رہی تھی اور اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھی۔

اب بکریوں کا سرغنہ اس بے چاری بکری کی جانب متوجہ ہوا، اور بولا کہ ”تمھیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے۔“ بکری بے چاری بولی ”مجھے کیا کہنا ہے۔ بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ میرے دو ننھے ننھے بچے ہیں جن کی جان کا کھٹکا مجھے ہر وقت لگا رہتا ہے۔ اسی لیے انھیں چھوڑ کر میں جھنڈ میں شامل نہیں ہوتی۔“ بکری کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے مکھیا بولا کہ ”کیا بچے میرے پاس نہیں ہیں۔ قبیلے میں بہت سارے لوگوں کے پاس بچے ہیں تو کیا وہ جھنڈ میں شامل نہیں ہوتے اور قبیلے کے قانون کا پالن نہیں کرتے اگر تم قبیلے کا پالن نہیں

کہانی

کروگی تو تمھیں قبیلے سے بے دخل کیا جاتا ہے اور جانی و مالی نقصان ہونے پر جھنڈ اور قبیلے کی کوئی ذمے داری نہیں ہوگی اور تمھیں اس محفوظ جگہ کو چھوڑنا ہوگا۔ لہٰذا تم کہیں اور جا کر اپنی زندگی بسر کرو۔‘‘

ایسا حکم سنتے ہی بے چاری بکری کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس نے بہت منت سماجت کی کہ میرے بچے چھوٹے ہیں، میں انھیں لے کر کہاں جاؤں گی اور اس خطرناک جنگل میں کہاں بسیرا تلاش کروں گی۔‘‘ روتے ہوئے بے چاری بکری نے اپنی بات کہی لیکن قبیلے کے قانون کے آگے اس کی ایک نہ سنی گئی اور ناچار اسے اس جگہ کو چھوڑنا پڑا۔ بڑے دکھ کے ساتھ بکری نے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور اپنے بچوں کو ساتھ لے کر آشیانے کی تلاش میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئی، جس جگہ کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ اتفاق سے وہ بہت خطرناک جنگل تھا۔ جہاں درندوں کا بسیرا تھا۔ بکری بڑی ہوشیاری سے اپنے بچوں کو پالنے لگی۔ اس طرح کچھ دن گزر گئے۔ اب بچے تھوڑے ہوشیار ہو چکے تھے اور ماں کے ساتھ گھاس چرنا بھی سیکھ گئے تھے۔ حفاظت کے نام پر قدرت نے اسے دو چھوٹے چھوٹے سینگ دیے تھے، جو نا کافی تھے۔ وہ دل ہی دل اللہ سے دعائیں کرتی تھی کہ ’’یا اللہ جب تک میرے بچے چھوٹے ہیں مجھے اپنی پناہ میں رکھ... پروردگار تو خوب جانتا ہے ان کا میرے سوا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بکری اپنے بچوں کو ساتھ لے کر گھاس چرنے کے لیے جنگل کی طرف نکل گئی تا کہ گھاس چرنے سے اس میں اور زیادہ دودھ آجائے اور وہ اپنے ننھے ننھے بچوں کو کھلا پلا سکے۔ گھاس چرتے چرتے بکری تھوڑی دور نکل گئی۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ ہری ہری گھاس کھاتے ہوئے وہ اپنے علاقے سے کافی دور نکل آئی ہے۔ جیسے ہی بکری کو اس بات کا خیال آیا۔ اس نے اپنی گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے اوپر اٹھایا لیکن سامنے منظر کچھ اور تھا۔

بکری اور اس کے بچوں سے تقریباً چالیس پچاس میٹر کے فاصلے پر ایک شیر للچائی ہوئی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ بکری کے حواس گم ہو گئے۔ تھوڑی دیر وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ اسی دوران بکری کو اپنے بائیں جانب کچھ ہلچل محسوس ہوئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک لکڑ بگھا بکری اور اس کے بچوں کو کھا جانے والی نیت سے قدم قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ بکری کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ اسے ایک طرف کنواں تو دوسری طرف کھائی نظر آئی۔ اب اس نے دل ہی دل پروردگار کو یاد کرنا اور اسی سے مدد مانگنا شروع کر دیا۔

ادھر شیر نے لکڑ بگھے کو اپنے شکار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو غصے سے لال ہو گیا۔ لکڑ بگھا ابھی شیر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس لیے وہ برابر بکری کی طرف بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ بکری کے بالکل قریب ہو گیا اور اب حملہ ہی کرنے والا تھا کہ شیر نے ایک اونچی چھلانگ لگائی اور لکڑ بگھے سے دست و گریباں ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ کر رہے تھے۔ کوئی بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ دونوں لڑائی میں اس قدر مصروف تھے کہ اب انھیں اپنے شکار کی خبر نہیں تھی۔

کافی دیر تک ان دونوں شکاریوں کو آپس میں گتھم گتھا دیکھ کر سیدھی سادی اور ڈری سہمی ہوئی بکری دھیرے دھیرے اپنے حواس درست کرنے لگی اور اپنے دونوں بچوں کو اپنے پیچھے رکھتی گئی۔ ادھر وہ دونوں ایک دوسرے پر ضرب لگانے میں مشغول تھے ادھر بکری اپنے بچوں کے ساتھ ایک ایک بے آواز قدم پیچھے رکھتی گئی۔ کچھ دیر پیچھے ہٹنے کے بعد بکری نے جھاڑیوں کا سہارا لیا اور اپنے بچوں سے کہا پیارے بچو! اس

موقعے کا فائدہ اٹھاؤ اور پوری طاقت سے اپنے گھر کی طرف دوڑ لگاؤ۔

لکڑ بگھے سے لڑائی کے دوران شیر کی نظر یک بارگی اس جگہ پڑی جہاں بکری ڈری سہمی کھڑی تھی۔ بکری کو غائب دیکھ کر شیر کا سارا غصہ سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آ گیا۔ جہاں شیر لکڑ بگھے کو صرف بھگانا چاہتا تھا لیکن وہ لالچی لکڑ بگھا کسی بھی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اب شیر نے غصے سے بپھر کر آخری وار کیا اور لکڑ بگھے کو گردن سے دبوچ لیا۔ لکڑ بگھا اب شیر کے جبڑے میں پوری طرح پھنس کر بے حال ہو گیا۔ بکری کی جگہ شیر نے لکڑ بگھے سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔

دوسری جانب بکری کچھ دیر سفر کرنے کے بعد اپنے گھر پہنچ کر بچوں کو دودھ پلا رہی تھی اور دل ہی دل رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔

اس پورے واقعے کو بکری کے قبیلے کا ایک ساتھی دور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے بے چاری بکری اور اس کے بچوں پر بڑا رحم آیا۔ وہ ساتھی اسی وقت قبیلے کے مکھیا کے پاس گیا اور ان سے وہ سارے واقعات کو بڑے پر اثر انداز سے قبیلے کے مکھیا اور دوسری بکریوں سے کہا اور ساتھ ہی اس بے چاری بکری اور اس کے بے بس بچوں کو واپس قبیلے میں لانے کی پر جوش وکالت کی۔ مکھیا اور دوسرے لوگوں نے اس کی وکالت پر غور کیا اور یہ طے پایا کہ اس بے چاری بکری نے بہت درد سہے ہیں لہٰذا قبیلے سے کچھ لوگ جائیں اور اس بے چاری بکری اور اس کے معصوم بچوں کو باعزت قبیلے میں واپس لے آئیں۔

■

Ansar Ahmad
A-39/305, A-4, Lat Bhairo
Saraiyan
Varanasi- 221001 (UP)
Mob.: 7989871136

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................... بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 , Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

سجاد علی

جانوروں کی اقسام

تم نے چڑیا گھر میں بہت سے جانور دیکھے ہوں گے لیکن شاید یہ عجیب وغریب جانور نہ دیکھے ہوں گے جو اپنی مثال نہیں رکھتے۔

ویزل: یہ بہت ہی عجیب وغریب جانور ہے۔ یہ جانور شمالی سرد ممالک میں پایا جاتا ہے۔ اس کا سمور بڑا خوبصورت اور قیمتی ہوتا ہے۔ اس کا استعمال امراء کرتے ہیں۔ یہ کوئی چھ سات انچ لمبا اوپر سے سرخی مائل بھورا اور نیچے سے سفید ہوتا ہے۔ یہ بہت خونخوار اور پھرتیلا ہوتا ہے۔ یہ شکار بہت کرتا ہے۔ پرندے اور مرغ وغیرہ کو بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

اس کی عجیب وغریب خاصیت یہ ہوتی ہے کہ جاڑے میں یہ رنگ بدلتا ہے اور سرخی مائل بھورے کے بجائے سفید ہو جاتا ہے۔ اس کا سمور ریشم کی طرح اور چکنا ہوتا ہے۔

والرس: یہ زیادہ تر سرد ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سو دو سو کی تعداد میں جمع ہو کر سمندر میں تیرا کرتے ہیں۔ بعض اوقات برف پر آ کر کھیلتے کودتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔ لیکن ذرا سی آہٹ ہوتے ہی یہ سارے کے سارے بھاگ کر سمندر میں جا پڑتے ہیں۔ یہ بہت ہی ہوشیار ہوتے ہیں۔

ان کے دانت بہت قیمتی اور اچھے ہوتے ہیں۔ ان کی چربی سے کارآمد تیل نکلتا ہے۔ ان کی آنتوں سے جال اور چمڑوں سے کپڑے بنتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلی لوگ اس کا استعمال اپنی زندگی میں کرتے ہیں۔ یہ بعض اوقات مل کر شکاریوں کی کشتی پر حملہ کر کے الٹ دیتے ہیں اس لیے ان کا شکار کرنا آسان نہیں ہے۔

سیہہ: یہ عجیب وغریب جانور ہے جس کے جسم پر جھاڑو کی طرح کانٹے ہوتے ہیں جو بہت لمبے اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے کانٹے جس جانور کو مارتا ہے اس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ یہ جانور ہندوستان، فارس، افریقہ اور شمالی امریکہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کا گوشت شمالی امریکہ کے لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور اس کے کانٹے سے زیور بنتے ہیں۔

سلاتھ: یہ ایک عجیب قسم کا جانور ہے۔ یہ امریکہ کے جنگلوں میں پایا جاتا ہے اس کے پنجے بڑے بڑے ہوتے ہیں اس کی داڑھی ایک ہی بار نکلتی ہے یہ ہندوستان میں نظر نہیں آتا۔

عموماً درختوں پر رہتا ہے اور اپنے بڑے بڑے پنجوں کے سہارے درختوں کی شاخوں میں لٹک جاتا ہے اور چھال

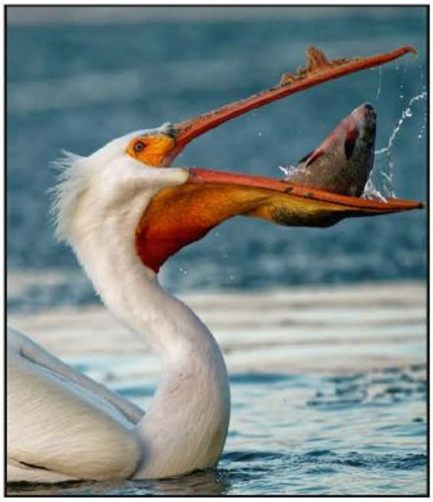

پتے وغیرہ کھا کر اپنا پیٹ بھرتا ہے۔

پیرو: شمالی امریکہ کا ایک پرندہ ہے۔ تین یا چار فٹ لمبا پروں پر خاکستری رنگ، مگر پروں کے آخری حصے میں سفید اور بعض بالکل سفید ہوتے ہیں۔ یہ سرخ رنگ سے بہت خائف ہوتے ہیں اور بزدل بھی ہیں۔ کسی سے اگر مقابلہ ہو جائے تو فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن اس کو دیکھ کر بھاگ جانے والے جاندار، خواہ کوئی بھی ہو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کو پریشان کر کے دم لیتے ہیں۔

پنگن: یہ جنوبی سمندروں کا عجیب پرندہ ہے۔ بازو ذرا ذرا سے اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اڑ نہیں سکتے۔ ہاں یہ تیرتے خوب ہیں۔ ان کا جسم بھاری ہوتا ہے۔ ان کی ٹانگیں بہت پیچھے ہوتی ہیں اس لیے اور پرندوں کی طرح بیٹھ نہیں پاتے، بلکہ کھڑے رہتے ہیں۔ یہ اکثر سمندروں میں تیرتے اور سمندروں کے کنارے کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ قطار بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، مچھلیوں مینڈکوں اور کیڑے مکوڑوں کو کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

حواصل: یہ بھی عجیب و غریب پرندہ ہے۔ پانچ فٹ سے زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ چونچ لمبی اور آخری حصے میں مڑی ہوتی ہے۔ یہ ایک بار میں چالیس پچاس میل تک اڑتا ہے اور تب بھی نہیں تھکتا۔ جب یہ اپنا منہ کھولتا ہے تو اس کے جبڑوں کی تھیلی میں آٹھ سیر پانی سما جاتا ہے۔ شکار کو مار کر اسی میں بھرتا ہے۔ اکثر مچھلیاں کھاتا ہے۔ اس لیے یہ اکثر سمندروں کے اوپر اڑتا نظر آتا ہے۔

زی زی: یہ ایک طرح کی مکھی ہے جو تنزانیہ کے بیشتر علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک اور زہریلی ہوتی ہے۔ جس جانور کو یہ کاٹتی ہے اسے موت کے منہ میں پہنچا دیتی ہے اور اگر انسان کو کاٹ لیتی ہے تو اسے سونے کی بیماری ہو جاتی ہے اور انسان ہر وقت نیند محسوس کرتا ہے۔

بہری: اس کی چونچ پتلی ہوتی ہے۔ ٹانگیں اور پنجے زرد، سینے پیٹ اور حلق کے پر سفید ہوتے ہیں اور اوپر گہرے نیلے سے خاکستری، بازو اور بھی سیاہی لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ مادہ کی لمبائی انیس انچ ہوتی ہے۔ بازو تیرہ انچ اور دم کوئی سات انچ کی ہوتی ہے۔ جب کہ نر تین چار انچ اپنی مادہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ یہ گرمی کے دنوں میں شمال کی جانب چلتا ہے اور موسم بدلتے ہی لوٹ آتا ہے۔ یہ بگلے، مرغابی اور لق لق کا شکار کرتا ہے۔

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا' نئی دہلی، **مدیر:** الیاس دہلوی، اپریل 1987

اظہر افسر

اینڈرسن

اینڈرسن کا پورا نام ہینس کرسچین اینڈرسن تھا، وہ 2 اپریل 1805 میں اوڈنس (جرمنی) کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا، کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اوڈنس میں پیدا ہونے والا یہ غریب لڑکا ایک دن ساری دنیا میں نہ صرف مشہور ہو جائے گا بلکہ ہر طرف چاہا جائے گا۔

اینڈرسن کا باپ ایک غریب موچی تھا، اینڈرسن کے بچپن ہی میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور بے چاری ماں کو اپنی اور اپنے بچے اینڈرسن کی پرورش کے لیے گھنٹوں اوڈنس کے چشموں میں کھڑے ہو کر لوگوں کے کپڑے دھونے پڑتے تھے۔

اینڈرسن بچپن ہی سے عجیب و غریب تھا۔ اسے چھوٹی عمر ہی سے مزے مزے کی کتابیں پڑھنے اور ان کتابوں کی تصویریں دیکھنے اور چھوٹے چھوٹے ناٹک بنانے کا شوق تھا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ناٹکوں کو خود ہی گاؤں میں کھیلتا تھا، خود ہی گاتا تھا اور سارے کردار خود ہی ادا کرتا تھا۔

بچپن میں اینڈرسن کا ہاتھ دیکھ کر ایک بوڑھی عورت نے کہا تھا بیٹا تو اپنے گاؤں کا نام روشن کرے گا۔ ایک دن تیرے لیے یہ سارا گاؤں روشنیوں سے جگمگا اٹھے گا۔

چودہ برس کی عمر میں اینڈرسن نے اپنا گاؤں چھوڑ دیا اور روزگار کی تلاش میں سیدھا شہر کوپن ہیگن پہنچا۔ اینڈرسن نے یہاں پہنچ کر مختلف آرٹسٹوں سے ملاقات کی تاکہ وہ اس کا کام اور اس کے کھیل دیکھ کر اسے کوئی اچھا مقام دے سکیں۔ ملتے ملتے وہ ان دنوں کی ایک مشہور ناچنے والی روزی کے گھر پہنچ گیا جو رائل تھیٹر میں روزانہ اپنا پروگرام دیتی تھی۔

پہلی ہی ملاقات میں اینڈرسن نے اپنے سارے کرتب

رائل تھیٹر کی اس ناچنے والی کو دکھائے اور اسٹیج سے اپنی دلی محبت کا اظہار کردیا۔ پھر فوراً اس نے اپنے جوتے اتار کر فرش پر اس دور کے نئے نئے ناچ روزی کو دکھائے۔

جب سارے کرتب اینڈرسن، روزی، کو دکھا چکا تو آخر میں اپنے فن کے بارے میں اس سے رائے پوچھی روزی نے کہا ''اینڈرسن تمھارا فن کچھ بھی نہیں ہے مگر تم بہت پیارے ہو۔''

اتنا سنتے ہی اینڈرسن ربیکا روزی کے گھر سے نکل پڑا۔ پھر اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اینڈرسن ہمت ہارنے والا لڑکا نہیں تھا۔ وہ دوسرے دن ہی سے کوپن ہیگن کے بڑے بڑے آرٹسٹوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ہر ایک سے اس نے اس بات کی خواہش کی کہ وہ اسے اسٹیج ایکٹر بننے میں مدد دے۔ آہستہ آہستہ اسے چھوٹے چھوٹے کام ملنے لگے۔ ایک دن اینڈرسن کی التجا پر رائل تھیٹر کے ایک ڈائرکٹر نے اوڈنس کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا دیا۔ بات چیت کے وقت بادشاہ نے سوچا کہ اس لڑکے کو پہلے اچھی تعلیم کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے اینڈرسن کو شاہی اسکول میں بھیج دیا تاکہ وہ اپنے حق کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کرسکے۔ رائل تھیٹر کا ڈائرکٹر بھی سمجھ چکا تھا کہ یہ لڑکا ذہین ضرور ہے مگر اسے اچھی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اینڈرسن سے پہلے وہ کئی لڑکوں کو شاہی اسکول میں اس طرح شریک کروا چکا تھا۔

اینڈرسن شاہی اسکول میں داخل تو ہوگیا مگر یہاں بھی وہ اپنی شوخی وشرارتیں نہ چھوڑ سکا۔ ایک دن جب اسکول کی کھڑکی کے پاس سے مویشیوں کا ریوڑ گزر رہا تھا تو اینڈرسن نے پکار کر کہا ''ماسٹر صاحب ان بھائی بہنوں کو بھی تو کچھ پڑھائیے۔'' ایک دن ایک بہت بڑے لمبے تڑنگے اسکول ٹیچر کو دیکھ کر اس نے نعرہ لگایا ''ماسٹر صاحب آپ کے تو دو ٹیچر بن سکتے ہیں۔''

ہر دفعہ بادشاہ کی وجہ سے بات آئی گئی ہو جاتی تھی۔ آخر 23 سال کی عمر میں اس نے اس اسکول کے سارے امتحان پاس کر لیے اور اسکول چھوڑ دیا۔

اپنی تعلیم کے زمانے میں وہ دن رات یہی سوچتا رہا کہ اسے کسی طرح شاعر اور ادیب بننا ہے اور ساتھ ساتھ اسے یہ بھی محسوس ہوتا رہا کہ شاعر اور ادیب بن کر اپنے آپ کو منوانا سخت مشکل ہے، اس میں مصیبتیں زیادہ اور آمدنی بہت کم ہے۔

دوسری طرف شہرت خود اس کی منتظر تھی۔ 1835 میں جب وہ اٹلی سے واپس ہوا تو اس نے اپنا ایک چھوٹا سا ناول لکھا۔ ناول کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی کتاب پریوں کی کہانیوں کی بھی نکالی۔ اس کتاب کی ساری کہانیاں اس کی بچپن کی سنی ہوئی تھیں۔ دونوں کتابیں بے حد مشہور ہوئیں مگر پھر بھی سوال روپوں کا تھا جس کی اس کو بے حد ضرورت تھی۔

کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ اس کی شہرت تقریباً ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اپنے بچپن میں سنی ہوئی کہانیوں کے ساتھ ساتھ خود اپنی طرف سے وہ نئی نئی کہانیاں لکھنے لگا اور بہت جلد ان کہانیوں کا جرمن زبان کے ساتھ دوسری زبانوں میں ترجمہ ہونے لگا۔

دس سال کے عرصے میں وہ اس قدر مقبول ہوگیا کہ لوگ راستہ روک روک کر اسے اس کی کہانیوں پر مبارکباد دینے لگے۔ وہ کہتے کہ تم نہ صرف بچوں کا بلکہ ہمارا بھی دل بہلا رہے ہو۔

پھر اس نے جرمنی کے تمام علاقوں کا دورہ کیا آسٹریا، فرانس اور انگلستان کی سیر کی۔ جگہ جگہ اس نے اپنے پرستار پائے۔ بے شمار بچوں نے اینڈرسن کو تحفے دیے۔ بزرگوں نے اسے اپنے گھر بلایا اور اس کی پیاری زبان سے اس کی کہانیاں سنیں۔

جب شہزادوں اور بڑے بڑے امیروں نے اس کی

تعریف کی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ سخت محنت اور کوشش سے اس نے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں جو تجربے اس نے حاصل کیے تھے وہ ساری باتیں اس نے اپنی کہانیوں میں بیان کردی ہیں۔ اس لیے اس کی ساری کہانیاں نصیحتوں سے بھرپور ہیں۔

اینڈرسن اپنے آخری سانس تک بچوں کے لیے میٹھی زبان میں پیاری پیاری کہانیاں لکھتا رہا۔ 62 سال کی عمر میں اسے گاؤں کا سب سے بڑا آدمی کا اعزاز دیا گیا اور اوڈنس گاؤں چراغوں سے جگمگانے لگا۔ اس طرح بچپن میں دی گئی بوڑھی عورت کی پیشین گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

اسے کہانیاں لکھنے اور سنانے کا ایسا شوق تھا کہ اس ڈر سے کہ اس کے اس فن کو دھکا نہ لگے اس نے عمر بھر شادی نہیں کی اور نہ اپنا گھر بسایا۔ عمر بھر کنوارا رہا۔ بس اپنے پرستار بچوں کے درمیان زندگی کاٹتا رہا۔

آخر 1875 میں جب کہ اس کی عمر ستر (70) سال ہوگئی تھی اس نے بستر پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ بچوں نے اسے بتایا ''اے ہمارے پیارے ادیب تمھاری کہانیاں یہاں سے دور دور تک پسند کی جارہی ہیں۔ جاپان اور ہندوستان کے بچے بھی آپ کی کہانیوں سے مزے لے رہے ہیں۔ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں آپ کی کہانیوں کے ترجمے ہوچکے ہیں اور ہر زبان میں آپ کی کہانیاں سنی اور پڑھی جارہی ہیں۔''

اتنا سن کر اینڈرسن نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

■

ماخذ: اینڈرسن کی کہانیاں، **مصنف:** اظہر افسر، **تیسری طباعت:** 2010، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جنگل جنگل

شاداب شمیم

جنگل جنگل ڈاکٹر محبوب حسن کی کہانیوں اور نظموں کا مجموعہ ہے۔ مختلف موضوعات پر ان کی پانچ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، ٹنڈے کباب ان کی طنز و مزاح کی کتاب ہے جسے علمی و ادبی حلقے میں کافی پذیرائی ملی ہے، دیگر اصناف کی طرح ادب اطفال پر بھی وہ مستقل لکھتے رہتے ہیں، بچوں کے لیے سبق آموز، اخلاقی اور اصلاحی کہانیاں ان کے فکری اور تخلیقی رجحان کا پتہ دیتی ہیں، جنگل جنگل ادب اطفال پر ان کی دوسری کتاب ہے، اس میں پانچ کہانیاں اور چودہ نظمیں ہیں، بچوں کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے یہ کہانیاں لکھی ہیں، اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ماحولیات کو سامنے رکھ کر کہانیاں تخلیق کی گئی ہیں، اس طرح کی کہانیاں لکھنا وقت کا تقاضا ہے، تاکہ بچے ماحولیات پیڑ، پودے، بادل اور پہاڑ وغیرہ سے مانوس ہوں، اور موبائل کی دنیا سے باہر نکل کر ان کے متعلق بھی سوچ سکیں، ماحولیات سے بچوں کو واقف کرانا بہت ضروری ہے، تاکہ وہ اس کے فائدے کو سمجھ سکیں۔

جنگل جنگل میں ایسی کہانیاں ہیں جنھیں ہم نے پہلے سن رکھا ہے یا نصابی کتابوں میں پڑھ رکھا ہے، مصنف نے انھی کہانیوں کو نئے الفاظ و انداز میں پیش کیا ہے، ہاں یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ بچے ان کہانیوں کو ضرور پسند کریں گے اور ان سے لطف اندوز ہوں گے، 'کہانی جنگل کی' اس مجموعے کی پہلی کہانی ہے، اس میں شینخو نامی خرگوش اور بھولا چوہا کی کہانی بیان کی گئی ہے، شینخو جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے بہت شیخی بگھارتا تھا، اسے اپنی خوبصورتی پر بہت غرور تھا، اور وہ دوسرے جانوروں کو حقارت سے دیکھتا تھا، خاص طور پر بھولا چوہے کو وہ کلو کلو کہہ کر پریشان کرتا تھا، اور اس کے کالے رنگ کی وجہ سے اسے ہمیشہ چھیڑتا رہتا تھا، شینخو خرگوش کی بات سن کر بھولا کو بہت تکلیف ہوتی تھی، جنگل کے سبھی جانوروں نے خرگوش کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ چوہے کو پریشان نہ کرے، لیکن اس نے کسی کی بات نہیں مانی اور اپنی اکڑ میں رہا، ایک دن خرگوش شکاری کے جال میں پھنس گیا اس نے نکلنے کی بہت کوشش کی پر وہ نکل نہیں سکا، پھر بھولا چوہے نے اس کی مدد کی اور اپنے تیز نوکیلے دانتوں سے جال کو کاٹ دیا، شینخو خرگوش اپنی شرارت پر بہت شرمندہ ہوا کہ اس نے جسے ہمیشہ پریشان کیا اسی نے اس کی مدد کی، مصنف نے کہانی کا اختتام ان الفاظ میں کیا ہے، ''ارے شینخو یہ کیسے ہوا، تم تو بہت مشکل میں پھنس گئے ہو، حوصلہ رکھو پیارے میں کچھ کرتا ہوں، بھولا کی باتیں سنتے ہی شینخو بہت شرمندہ ہوتا ہے، اسے اپنی ساری شرارتیں یاد آتی ہیں، اپنی غلط حرکتوں اور بری عادتوں کے لیے شینخو جنگل سے سبھی جانوروں سے معافی مانگتا ہے، بھولا بھی شینخو کو دل سے معاف کر دیتا ہے، اس واقعے کے بعد بھولا اور شینخو گہرے دوست بن جاتے ہیں۔'' یہ ایک سبق آموز کہانی ہے اور اس کہانی کے ذریعے بچوں کو بڑی اچھی نصیحت دی جا رہی ہے کہ کسی کو اس کی شکل و صورت کی وجہ سے کمتر نہ سمجھیں، سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے، ظاہری شکل و صورت کی بنا پر فخر و تکبر غلط بات ہے، سب سے اچھے اخلاق سے پیش آئیں، لوگوں سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملیں، دوسروں کی مصیبت میں کام آئیں۔

'شرارتی شیر' اس مجموعہ کی دوسری کہانی ہے، شرارتی شیر کو مرکز میں رکھ کر یہ کہانی تحریر کی گئی ہے، شرارتی شیر ایک چھوٹا بچہ ہے، اس کی شرارت سے اس کا باپ راجا شیر ہمیشہ پریشان رہتا

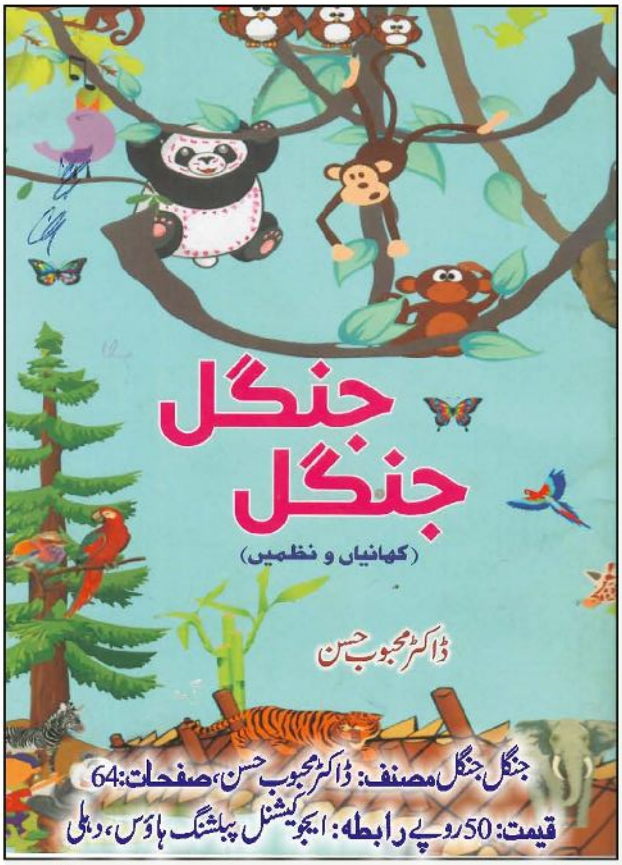

جنگل جنگل مصنف: ڈاکٹر محبوب حسن، صفحات: 64
قیمت: 50 روپے رابطہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

تھا اور اسے ہر وقت یہ فکر ستاتی رہتی کہ کہیں اس کا شرارتی بچہ اپنی شرارت کی وجہ سے کسی پریشانی میں نہ پھنس جائے، اسی لیے مرنے سے پہلے اس نے اپنے بچے کو نصیحت کی کہ جنگل سے باہر کبھی نہ جانا، کیونکہ باہر انسانوں کی بستی ہے اور انسان بہت عقل منداور چالاک ہوتے ہیں، وہ شیر، بھالو، ہاتھی وغیرہ سب کو اپنے اختیار میں کرلیتا ہے اور اس کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا، لیکن شرارتی شیر کب کسی کی سننے والا تھا، وہ انسان کی تلاش میں نکل گیا کہ دیکھیں انسان کس بلا کا نام ہے جس سے جنگل کا راجا بھی ڈرتا ہے، چونکہ وہ انسان کو پہچانتا نہیں تھا اس لیے اس نے مختلف جانوروں سے انسان کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا، سارے جانوروں نے اسے سمجھایا کہ انسان کے قریب بھول کر بھی مت جانا، اس لیے کہ اس کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے، ہاتھی، گھوڑا اور دوسرے جانور اس سے زیادہ طاقت ور ہوتے ہوئے بھی اس کی اطاعت کرنے پر مجبور ہیں، جانوروں کی باتیں سن کر شرارتی شیر کے دل میں انسان سے ملنے کی مزید خواہش پیدا ہوتی ہے، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر انسان ایسا کیا کرتا ہے کہ سب اس کی اطاعت پر مجبور ہوجاتے ہیں، شرارتی شیر کو اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ تھا، اسی گھمنڈ اور تکبر کی وجہ سے وہ پریشانی میں پڑجاتا ہے اور پھر اس کی ساری طاقت دھری کی دھری رہ جاتی ہے، اس لیے پیارے بچو! کبھی بھی اپنی کسی خوبی پر فخر نہ کریں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اس قابل بنایا، یہ کہانی بھی بچوں کے لیے بہت مفید ہے اسے پڑھ کر بچے یقیناً بہت کچھ سیکھیں گے، اس کے علاوہ چالاک بندر، درختوں کی دوستی اور عقلمند خرگوش بھی بڑی اچھی کہانیاں ہیں، جنھیں مصنف نے آسان الفاظ میں تحریر کیا ہے، مشکل الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔

اس مجموعے میں 14 نظمیں شامل ہیں، متوالی، گیت سناتی کوئل، ہاتھی آیا ہاتھی آیا، جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی، اڑتی چڑیا، چھائے بادل، مینڈک، سیانی مچھلی، آتی شام سحر ہوگئی، پیڑ لگاؤ، کالا کوا، آیا بندر آیا بندر اور ملی موسی کے عنوان سے نظمیں تحریر کی گئی ہیں، یہ نظمیں بچوں کی سمجھ اور ان کی نفسیات کو سامنے رکھ کر تخلیق کی گئی ہیں، نظموں کے عناوین بھی ایسے رکھے گئے ہیں کہ بچے فوراً ان کی طرف متوجہ ہوجائیں، جیسے کوئل، ہاتھی، چڑیا، بادل، مینڈک، بلی، بندر وغیرہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنھیں بچے بے حد پسند کرتے ہیں، کوئل کی آواز، ہاتھی کا ڈیل ڈول، بادل کی گرج، مینڈک کا ٹرانا، بلی کی میاؤں میاؤں اور بندر کی اچھل کود بچوں کو بہت لبھاتی ہے، اس طرح کی کہانی اور نظمیں بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ بچے سوشل میڈیا اور موبائل گیمز وغیرہ کو چھوڑ کر اس طرح کی کہانیاں اور نظموں سے لطف اندوز ہوسکیں۔ یہ کتاب ادب اطفال میں ایک خوش کن اضافہ ہے اور مجھے امید ہے کہ بچے اس مجموعے کی کہانیوں اور نظموں کو پسند کریں گے۔

■

Md. Shadab Shamim
D-35, Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob : 9643885605

اکبر خان اشک جالوری

گوڈاون پرندہ

(Great Indian Bustard Bird)

گوڈاون یا بڑا ہندوستانی تلور جسے راجستھان کی مقامی زبان میں گورانن، مال مورڈی، ہوکنا پنچھی، سون چڑیا بھی کہتے ہیں۔ بھارت کے(Ardeotis Nigriceps) آرڈیواوٹیس نگری سپس خشک گھاس کے میدانوں میں اور بھارت سے قریبی سرحدی پاکستان کے چند علاقوں میں ملنے والی تلور (سوہن چڑیا) کی ایک (ذیلی ذات) قسم ہے۔ اڑنے والے پرندوں میں یہ سب سے وزن دار پرندہ ہے۔ بڑے قد کی وجہ سے یہ شترمرغ جیسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ راجستھان کا قومی پرندہ (راج پکشی) ہے۔ یہ بہت ہی شرمیلا ہوتا ہے اور گھنی گھاس میں رہنا اس کی عادتوں میں شمار ہے۔

یہ راجستھان کے جیسلمیر ضلع کے مرو، ادھیان (نیشنل ڈیزرٹ پارک) سورسن (ضلع باراں) و ضلع اجمیر کے شوکلیہ علاقہ میں پایا جاتا ہے۔ راشٹریہ مرو ادھیان (نیشنل ڈیزرٹ پارک) کو گوڈاون کی پناہ گاہ مانا جاتا ہے۔ جیسلمیر کی سیون گھاس میں رہنے والے گوڈاون کو 1981 میں راجستھان سرکار نے اسے راجستھان کے (راج پکشی) قومی پرندہ کا درجہ دیا تھا۔ بھورے رنگ کے جسم والے اس پرندے کی گردن سفید رنگ کی اور اس کے پنکھ اور سر پر کالے سلیٹی رنگ کے دھبے ہوتے ہیں۔

عام طور پر گوڈاون کی اونچائی ایک سے ڈیڑھ میٹر تک کی ہوتی ہے۔ مادہ گوڈاون کے مقابلے نر گوڈاون کا وزن اور اونچائی دونوں زیادہ ہوتی ہیں، جس کا وزن دس سے بارہ کلوگرام تک ہوتا ہے۔

گوڈاون کا انڈے دینے کا موسم اکتوبر نومبر کا مہینہ مانا جاتا ہے۔ گوڈاون شترمرغ کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اونٹ کی طرح کئی دنوں تک بغیر پانی کے زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ ریگستانی پرندہ ریتیلے علاقے کی آب و ہوا کے مطابق خود کو موافق کر لیتا ہے۔ اس کی مسلسل کم ہونے والی تعداد کی ایک وجہ شکاریوں

کے ذریعے گوشت خوری کرنا ہے۔لوگ اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے ایسی نایاب مخلوق کی شکار کرتے ہیں۔ دوسری وجہ تھار ریگستانی علاقے میں گھاس کے میدانوں کی مسلسل ہورہی کمی بھی ہے۔اس لیے لائف C پروٹیکشن ایکٹ 1972 کی دفعہ 9C کے تحت تحفظ مہیا کروایا گیا ہے۔

اس قانونی دفع کے مطابق اگر کوئی شخص اس کا شکار کرتا ہوا پکڑا جاتا ہے تو ان پر دس سال کی سزا یا پچیس ہزار روپے تک جرمانہ لگایا جاتا ہے۔

یہ کثیر خور ہونے کی وجہ سے سبزی خوری اور گوشت خوری دونوں طرح سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔خاص طور سے اناج میں گیہوں، باجرہ، بیر کے پھل اور گوشت خوری میں ٹڈے، سانپ، چھپکلی، بچھو وغیرہ گوڈاون کی خاص غذا ہے۔ اس کا پسندیدہ کھانا مونگ پھلی اور تارہ میرا ہے۔گوڈاون میں شمالی بھارت میں پائے جانے والے ہوکنا پرندہ سے کئی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جیسے یہ کسی مصیبت کی حالت میں ہوتا ہے تو ہوک ہوک کی آواز کرتا ہے۔اس کی بہرہ کرنے والی بلند آواز کو گگن بھیریا گورین نام سے جانا جاتا ہے۔

تلور کی قسمیں: تلور کی تین قسمیں پائی جاتی ہیں۔

اس کا سائنسی نام آرڈیوٹیس کوری (Kori-bustard)، کوری تلور ہے۔ افریقہ کے دکنی علاقے میں ہوتسوانا، نامبیا انگولا اور جامبیا، دیسوں میں ملنے والی تلور (سوہن چڑیا) کی ایک علم حیاتیات میں اس کی ایک قسم کا نام ہے۔

عربی تلور: (آربین بسٹارڈ) اس کا سائنسی نام (آرڈیوٹیس آربس) ہے۔افریقہ جزیرہ نما اور افریقہ کی ساحلی پٹی میں ملنے والی تلور (سوہن چڑیا) کی علم حیاتیات کی ایک قسم کا نام ہے۔

آسٹریلیائی تلور: (آسٹریلین بسٹارڈ) جس کا سائنسی نام (آرڈیوٹیس اوسٹرالیس) ہے۔ جیسے آسٹریلیا اور نیوگینی میں ملنے والی تلور (سوہن چڑیا) کی علم حیاتیات کی ایک قسم ہے۔

■

Akbar Khan 'Ashk' Jalori
Mohalla: Habshian, Fort Road
Jalore- 343001 (Rajasthan)
Mob.: 9413384093

سید فرحان کاظمی، درجہ دہم، ایرو اسکول، حیدرآباد، تلنگانہ

مبشرہ انصاری نوید الحسن، درجہ دہم
گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

صبا ناز بلال احمد درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

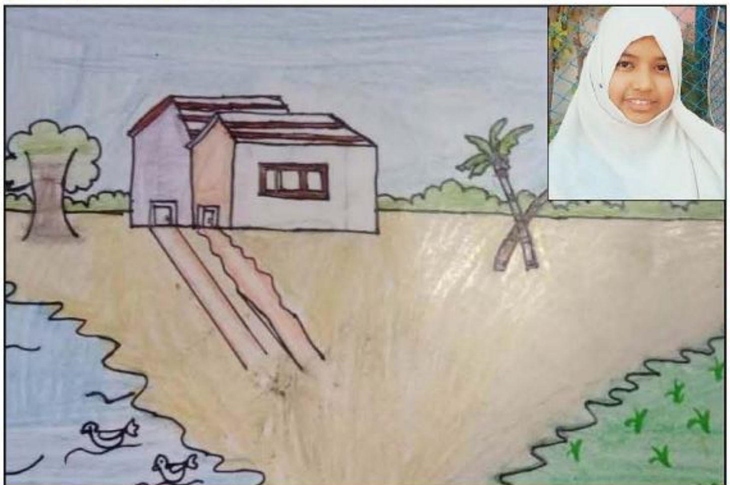

انجم ناز ارشاد اللہ خان، درجہ نہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

المینہ بانو محمد سرفراز، درجہ نہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

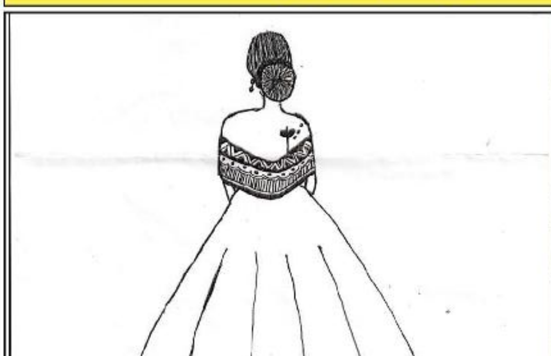

عالیہ، درجہ ہفتم، مڈگاؤں، (گوآ)

فاطمہ پٹیل درجہ نہم، فاطمہ اردو ہائی اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

راحیل اسلام، درجہ ہفتم، رانی پبلک اسکول، مغربی بنگال

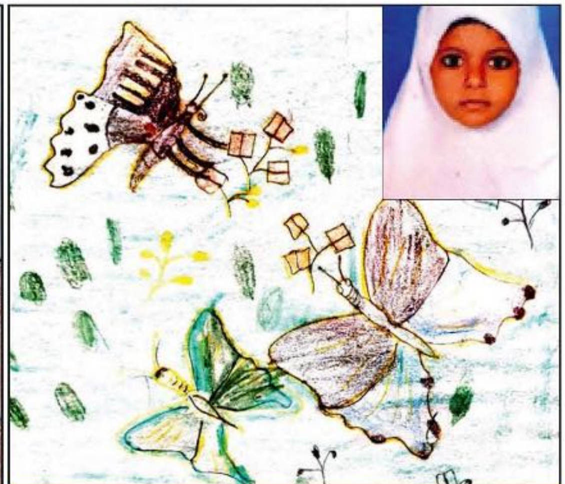

عابدہ امرین، درجہ ہفتم، مولانا ابوالکلام آزاد
اردو ہائی اسکول، ناندیڑ، مہاراشٹر

اشنا انجم عارف خان، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، ناندورہ، مہاراشٹر

محمد عفان محمد شارق درجہ سوم، ارم پری پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

اریبہ کلیم اختر انصاری، درجہ پنجم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

صدف امجد علی صاحب چودھری درجہ پنجم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

نازمہ بی شیخ رفیق، درجہ پنجم، منڈی اردو پرائمری اسکول نمبر 1
برہانپور، مدھیہ پردیش

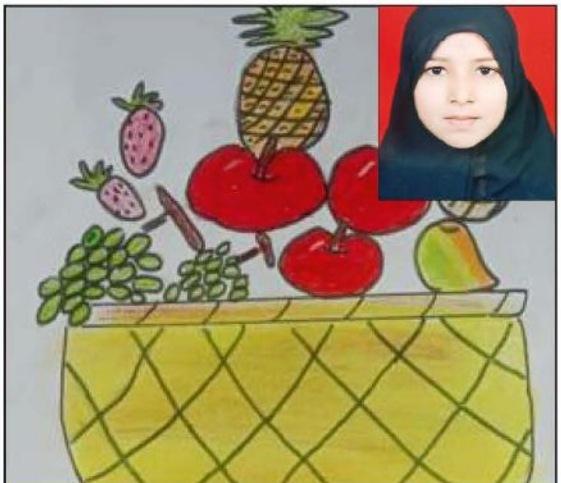

مبشرہ عبدالکریم خان، درجہ پنجم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

شیخ حسان محمد علیم، درجہ چہارم، ناندورہ، مہاراشٹر

آمنہ ثاقب، درجہ اوّل، دی اسکالر اسکول، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

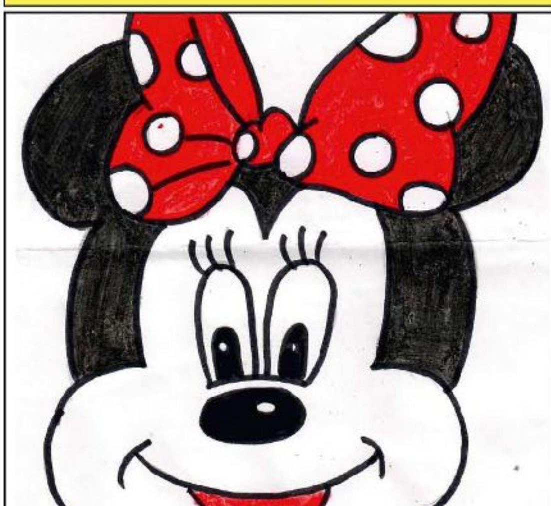

ریان اختر، درجہ چہارم، رانے بنور (کرناٹک)

زینہ حریم، درجہ کے جی 1، اقرا انٹرنیشنل اسکول، ناگپور، مہاراشٹر

شاریہ اشفاق بنت محمد اشفاق احمد، درجہ اول
نیو ہورائیزن پبلک اسکول، نظام الدین، نئی دہلی

ارسلان ظہور محمد نزد کھیر کھانی، گلی صحت کوا، برہانپور، مدھیہ پردیش

ہالہ فلک بنت عبدالمتین، درجہ اول، روز ووڈ اکیڈمی، سکرا باغ، وارانسی، یوپی

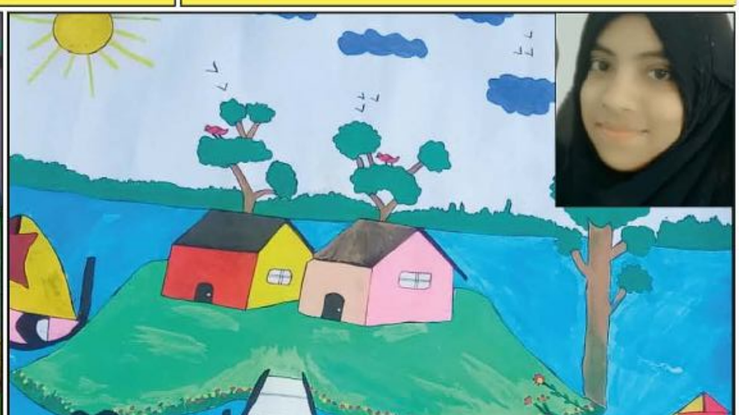

مسکان انصاری محمد اقبال، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

ربیعہ کوثر محمد ساجد انصاری، گورنمنٹ اردو گرلز، ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

— ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जून 2023, वर्ष 11, अंक 06
BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2023 Vol. 11, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

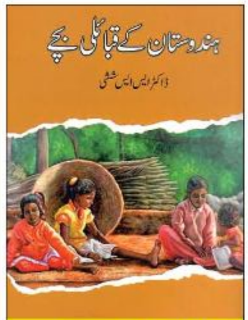

صفحات: 57، قیمت: 20 روپے

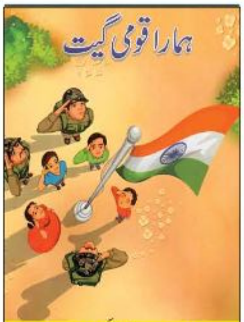

صفحات: 58، قیمت: 20 روپے

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

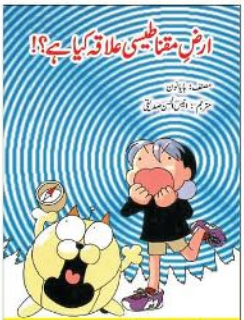

صفحات: 23، قیمت: 20 روپے

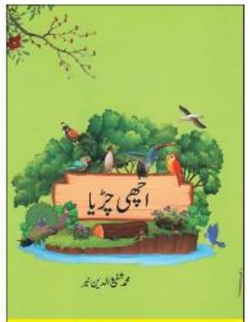

صفحات: 42، قیمت: 29 روپے

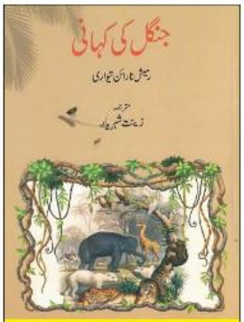

صفحات: 118، قیمت: 30 روپے

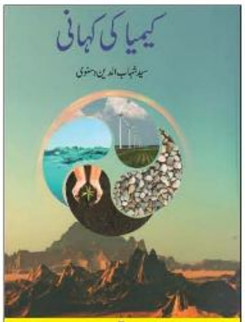

صفحات: 120، قیمت: 30 روپے

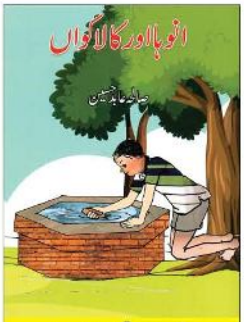

صفحات: 26، قیمت: 15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6